اسلامی بیت المال

صدر العلماء

سیّد احمد الدین گانگوی

(۱۸۴۳ـ۱۹۶۸ء)

باجازت

صاحبزادہ سید نعیم الدین گانگوی

تحقیق وتدوین:

عطاء المصطفیٰ مظہری

تقدیم:

محمد ریاض بھیروی

اسلامی بیت المال

صدر العلماء

سیّد احمد الدین گانگوی

(۱۸۴۳_۱۹۶۸ء)

باجازت

صاحبزادہ سید نعیم الدین گانگوی

تحقیق وتدوین:

عطاء المصطفیٰ مظہری

تقدیم:

محمد ریاض بھیروی

نام کتاب	اسلامی بیت المال
مصنف	صدر العلماء سید احمد الدین گانگوی
باجازت	صاحبزادہ نعیم الدین گانگوی
تقدیم	محمد ریاض بھیروی
تحقیق و تدوین	عطاء المصطفیٰ مظہری
معاون	محمد فضل الرحمٰن
قیمت	-/300 روپے
ناشر	کتاب محل

انتساب

شہنشاہِ تونسہ

کے اس دعائیہ جملے

کے نام

رب سائیں!

میڈے سیال کوں رنگ لائیں!

حسنِ ترتیب

''تاریخ کی بدلیوں سے ابھرتا آفتاب''

صدرُ العلماء مفتیِ اعظم سید احمد الدین گانگوی دہلوی، فرنگی محلی نام ہے روحانی و دینی، علمی و ادبی، سیاسی و سماجی خدمات کے سوسالہ عہدِ زریں کا! رومانوی اور علمی گاؤں گانگوی جو کہ دریائے سندھ کے پاٹ میں لیٹا، بستا اجڑتا رہتا تھا، میں سے جنم لینے والی اس نادرِ روزگار اور افتخارِ زمانہ، منفرد و یگانہ ہستی نے اس دریا کے ظالم پانیوں میں غرق اس گاؤں کو لافانی بنا دیا ہے، اتنا کہ اب اسے دوام ہی دوام ہے۔ ہمہ وقت اپنی بقاء کی جنگ لڑنے والے اور بالآخر فنا کے گھاٹ اتر جانے والے اس گاؤں کے اِک لائق فرزند نے وہ خرد افروز کارہائے ممتاز سرانجام دیئے ہیں کہ اب وقت کی کوئی کانگ اس کی مانگ نہیں اجاڑ سکتی، وقت کا کوئی تھپیڑا اس کے حسنِ خداداد کو دھندلا نہیں سکتا۔ مانا کہ وقت کے ریگزاروں میں دب مِٹ اور لُٹ اور مَر جانے والے اس گاؤں کا نشاں تک باقی نہیں رہا لیکن اس کا معنوی بیٹا احمد الدین گانگوی ہے کہ اسے مرنے ہی نہیں دیتا۔

اک نام کیا لکھا ترا ساحل کی ریت پر

پھر عمر بھر ہوا سے میری دشمنی رہی

یہ کیسی فنا ہے کہ ہر لمحہ وقت کی کوکھ سے ہزاروں بقائیں جنم پذیر ہو رہی ہیں۔ یہاں سے معنوی حیات کا اک حقیقی آفتاب طلوع ہو رہا ہے، ایسا آفتاب جس کے لئے طلوع ہے نہ غروب، یہ اجرِ خداداد کا آفتابِ نصفُ النہار ہے اور بس!

اس عظیم اور حیرت انگیز متکلم کی ابھی ابھی شائع ہونے والی کتابوں نے دنیائے علم سے تسلیم کا خراج پا کر عالم میں یہ ڈنکا بجا دیا ہے کہ

بھلے شاہ اسیں مرناں ناہیں

گور پیا کوئی ہور!

لوحِ وقت پر ثبت ہے کہ علم کی دولت سے مالا مال ہونے والا ناآشنائے زوال رہتا ہے۔ بابِ مدینۃ العلم سے منسوب قولِ لازوال ہے

رضینا قسمۃ الجبار فینا...... لنا علم وللجھال مال

فان المال فان عن قریب...... وان العلم باق لایزال

ایک وقت تھا کہ لوگ بتایا کرتے تھے کہ مولانا گانگوی بڑے عالم ہیں، بہت ہی بڑے عالم! لیکن ان کی آنے والی کتابوں نے اس تاثر کی یکسر نفی کر دی

ہے اور اس پرانے بیانیئے کو بدل کرر کھ دیا ہے ، انکی تحریروں نے خود زور دار شہادت دے دی ہے کہ ''مولانا بہت بڑے عالم نہیں تھے''۔ بلکہ ''سب سے بڑے عالموں میں سے تھے''۔اب بات زبانی نہیں رہی بلکہ ان کا '' کلام'' اس دلیل کی زبان بن گیا ہے۔ یقیناً وہ صدر العلماء تھے ،وہ نادرِ روزگار تھے ، وہ نابغہ ءِعصر تھے ،وہ اپنی صدی کے عظیم متکلم اور صوفی تھے ،وہ انتہائی منفرد اور جداگانہ طرز کے فقیہ تھے،وہ مرجع العلماء تھے،سند الفقہاء تھے،قبلہ گاہِ فضلاء تھے ،انیس الادباء تھے،آپ امام الاصولیین تھے،نور المحد ثین تھے،بقیۃ الاولین تھے، آپ میرِ کارواں تھے،نباضِ سیاستِ دوراں تھے، وہ خادمِ بے کساں تھے، بزمِ دوستاں میں بریشم و پرنیاں اور متلاشیانِ علم پر از حد فریفتہ ومہرباں تھے، آپ صفِ اول میں رہنے والے مجاہدِ تحریک پاکستان تھے، برصغیر میں اٹھنے والی ہر اہم تحریک کی اپنی سطح پرروح اور جان تھے،آپ جلیس الفقراء تھےاور فزوں ترین یہ کہ آپ محبّ الاولیاء تھےاور اس سے بھی فزوں وبالاتر یہ کہ آپ عشق کی دنیا کے شہریارِ باوفا تھے،طریقت کی وادیوں کے فرہاد تھے،محبت کی کٹھنائیوں کے کوہ کن تھے،آپ اپنی معنوی لیلیٰ کے کاروانِ صد بہار کے غبار میں گم اک مجنوں تھے،وہ مداہنت سے نا آشنا تھے،خوفِ تنقیدِ خلائق سے بے پرواہ تھے،ذوقِ ستائشِ عوام سے ماورا تھے۔کلام ان پرنازاں تھا،معنی کی پریاں انکی خادمائیں تھیں،سروش انکی

صدا کے دوش پر رہتے تھے ،تحریریں ان پر جاں چھڑکتی تھیں ، دلائل انکا پانی بھرتے تھے، کتابیں انکی جولان گاہ تھیں۔

وہ حرف نہیں کتاب تھے، جھونکا نہیں بہار تھے، فرد نہیں کارواں تھے، دریا نہیں بحرِ بے کراں تھے، ستارے نہیں کہکشاں تھے، زمیں نہیں آسماں تھے، منزل اور منزل نشاں تھے، وہ گل نہیں گل ستاں تھے، وہ بوئے گُل نہیں خود بوستاں تھے، وہ جمود نہیں تحرک تھے، وہ غزل نہیں دیوان تھے، وہ کرن نہیں آفتاب تھے، وہ گُل نہیں گُل زار تھے، لالہ نہیں لالہ زار تھے، وہ بہار نہیں بہارستاں تھے، وہ نور نہیں نورستاں تھے، وہ لمحہ نہیں عہد تھے۔

اس ''پیش لفظ نما'' تحریر میں مجھے آپ کے ہاتھوں میں موجود اس کتاب کے متن پر کچھ نہیں کہنا کیونکہ ''سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کیلئے'' اور اس لئے بھی کچھ نہیں کہنا کہ متن خود صاحبِ کتاب کی شخصیت کشائی کریگا، لفظ خود بولیں گے اور کتاب وصاحبِ کتاب کے اسرار کو کھولیں گے، کتاب خود قاری سے مکالمہ اور کلام کریگی، قاری کو مائل، قائل اور بلاآخر گھائل کریگی۔ مجھے آپ کے اور کتاب کے درمیان حائل نہیں ہونا!

مجھے خوشی ہے کہ وقت بدل رہاہے، اندھیرا ڈھل رہاہے، آندھیاں رُک رہی ہیں، طوفاں تھم رہے ہیں، چڑھی ہوئی ستم گر کا نگ اتر رہی ہے، میں

کنارِ سندھ پہ کھڑا چشمِ تصور سے یہ حیرت زا منظر دیکھ رہا ہوں کہ اگر چہ اب بھی دریا چڑھا ہوا ہے اور کانگ اب بھی آئی ہوئی ہے، لیکن عین اسی جگہ ہولے ہولے اِک نیا گانگی، اِک نیا معنوی گاؤں ابھر رہا ہے، احمد الدین کا گانگی! علم وعرفاں کا گانگی! میں دیکھ رہا ہوں کہ بستیاں نمودار ہو رہی ہیں، چھل پہل بڑھ رہی ہے، موت، حیات کی کروٹ لے رہی ہے، گُل وگلزار نمو پارہے ہیں، کلیاں کھلتی جا رہی ہیں، نو وارد طائرانِ خوش نوا کی وا منقاریں بہار کے جھونکوں کا والہانہ استقبال کر رہی ہیں، بچوں کی چہکاریں آنے لگی ہیں، زندگی کے رنگ بکھرنے لگے ہیں، ظلمتیں بھاگ رہی ہیں اور اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکلتے اِک سورج نے اردگرد کو نور سے جل تھل کر دیا ہے، میری نگاہیں خیرہ ہونے لگی ہیں، آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب اُسی ماہ تاب کی اک کرن ہے، گانگی سے لیکر فرنگی محل تک اجالا ہی اجالا ہے!

محمد ریاض بھیروی

یکم اپریل ۲۰۱۸ء

الحمد لله الذی ھدانا سبل السلام ،والصلوٰۃ والسلام علیٰ
رسوله محمد سید الانام الذی بین الحلال و الحرام وجل
الاحکام و اوضح لنا سبیل الرشد لنفوذ باالمرام وجعل لاداء
الفرائض کلھا حدوداً ونظمھا فی سلک الانتظام وعلیٰ اله
واصحابه الذین اتبعوہ فی کل ماجاء به وسلکوا مسلک السد
ادالقوم

امابعد یہ درویش خیر اندیش تمام اہل اسلام کی خدمت میں عرض رسا ہے
کہ زمانے کی نیرنگیوں نے اسلام کے نظام میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔عہد
اقدس نبوی ﷺ اور سلف صالحین کے زمانہ میں ادائے حدود و فرائض کے لئے جو
طرز عمل ایک خاص نظام کے ماتحت تھا اس کا اب نام ونشان نہیں نہ اس کے احیاء
کا کچھ خیال ہے۔ حالانکہ احیاء سنت وہ عظیم الشان امر ہے جس کی نسبت حضور
اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

من احییٰ سنتی بعد ماامیتت فله اجر مائة شهید

”جس نے میرے طریقوں کو بعد اسکے مردہ ہونے کے زندہ کیا تو اس

کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔"

اس زمانے میں احیاء سنت بجائے خود رہا بدعت و معصیت پر اصرار ہے۔ ہم اس مقام میں تمام فرائض اسلام میں سے صرف ایک فریضہ زکوٰۃ کو لیتے ہیں۔ اور اس باب میں طریقہ موجودہ کا موازنہ طریقہ سلف صالحین سے کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ دونوں طریقوں میں بعد المشرقین ہے۔ طریقہ سلف اگر اثبات تھا تو موجود طریقہ اس کے مقابلہ میں بالکل نفی ہے۔ اگر طریقہ سلف عین رشد و ہدایت تھا تو موجودہ طریقہ سراسر گمراہی و بطالت ہے، طریقہ مسنون ہر ایک امر و حکم میں اپنے اندر ایک نظام رکھتا ہے، یہ شان نظم اس کے ہر ایک امر میں پائی جاتی ہے۔ نماز کی تعداد اوقات کے لحاظ سے پانچ ہے یعنی ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنے کا حکم ہے اور وہ بھی جماعت کے ساتھ ایک امام کی اقتداء میں ایسا نہیں کہ جس وقت اور جس طرح دل چاہے نماز پڑھ لی جائے۔ سنن و آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ اس طرح کہ ایک وقت خاص میں مسجد کے اندر ایک شخص کو امام بنا کر قواعد مقررہ کیساتھ نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ یہی حال روزہ کا ہے کہ گو وہ سال بھر میں ایک مہینہ فرض ہے لیکن خاص تعین کیساتھ ایک خاص ماہ میں جس کا نام رمضان ہے فرض صوم ادا کیا جاتا ہے۔ یہی حال حج کا ہے اس کیلئے دن اور مقام اور مخصوص احکام کے تعین کی ضرورت ہے بغیر ان

تعینات کے حج ادا نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح زکوٰۃ میں بھی قیود اور تعینات ہیں یہ نہیں کہ آزادی کے ساتھ جس طرح چاہا مال زکوٰۃ ادا کردیا اور دل میں یہ سمجھ لیا کہ ہم فریضہ الٰہی کی ادائیگی سے سبکدوش ہوگئے۔ شارع نے جس قدر انتظام و اہتمام زکوٰۃ کے معاملہ میں کیا ہے اس کی نظیر دوسرے فرائض میں سوائے صلوٰۃ کے نہیں ملتی۔ زکوٰۃ کیلئے ابتداء جو حکم نازل ہوا وہ ان الفاظ میں ہے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (سورۃ توبہ:۱۰۳)

"آپ مسلمانوں کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کرلیا کریں۔"

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو براہ راست حکم نہیں ہے کہ تم بطور خود جس کو چاہو زکوٰۃ دیا کرو بلکہ حضور اقدس ﷺ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ بنفس نفیس مسلمانوں سے رقم زکوٰۃ حاصل فرماویں۔ گویا زکوٰۃ کے متعلق حکم اصلی یہی ہے کہ امام بطور خود لوگوں سے رقم زکوٰۃ لینے کا انتظام کرے۔ اس حکم اصلی وصریحی کی تعمیل حضور اقدس ﷺ نے اس حد تک فرمائی کہ عشر اور زکوٰۃ کی وصولی کے واسطے عامل اور عاشر مقرر فرمائے اور تمام قلمرو اسلام میں متدین اور معتمد اشخاص کا تعین فرما کر جملہ صدقات واجبہ باضابطہ وصول فرماتے رہے اور ان تمام اموال کو ایک جگہ رکھ کر اس کا نام بیت المال رکھا اور حسب ضرورت ان اموال کو مصارف

شرعیہ پر صرف فرماتے رہے حتیٰ کہ ہر ماتحت صوبہ کو بارگاہ نبوت ﷺ سے یہی حکم پہنچتا رہا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل مقرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

صدقة توخذ من اغنیائھم وتردالیٰ فقرائھم

''صدقات کو اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر تقسیم کر دیا کر''

یہی طریقہ خلفاء راشدین میں رائج رہا۔ انہوں نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس انتظام و استحکام کو بہت بڑھایا جس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ہدیہ ناظرین ہوگی۔

عہد اقدس سے لیکر آج تک جس قدر اسلام کی ترقی ہوئی اسکا سنگ بنیاد بیت المال ہے۔ اسلام پر حملہ ہونے کے وقت مدافعت کا ہتھیار یہی بیت المال ہے اور خود اسلام کے حملہ کے وقت اسی بیت المال سے تمام عقدے حل ہوتے تھے اسلام کیلئے بیت المال کی ایسی ضرورت ہے جیسی بدن کیلئے سر کی۔ اور جسم کیلئے روح کی یہی وجہ ہے کہ جب تک بیت المال کا انتظام تھا اسلام روز افزوں ترقی کرتا گیا اور جب سے مسلمانوں نے اسکی طرف سے رخ پھیرا تو نہ صرف وہ کمزور ہوگیا بلکہ غلامی کے دائرہ میں آ گیا اور تشتت وافتراق کی وجہ سے باوصف صاحب زر و صاحب ثروت ہونے کے مسلمان کا ادبار انتہا کو پہنچ گیا ہے

کیونکہ جو کچھ زور وقوت ہے وہ وحدت مرکز اور نظم میں ہے اسی کو مسلمانوں نے کھو دیا جسکے وہ مامور تھے۔شریعت حقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سب سے زیادہ زور نظم پر دیا ہے یعنی مسلمان کسی وقت اور کسی حالت میں بے نظم نہ رہیں۔حتیٰ کہ معمولی اور عارضی سفر کیلئے بھی حکم ہے کہ کوئی امیر اپنے لئے انتخاب کرلیں چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے تین شخصوں کیلئے جو ارادہ سفر کا رکھتے تھے، ارشاد فرمایا کہ تم کو چاہیے کہ اپنے سے ایک امیر کو منتخب کرلو۔جب سفر جیسی عارضی اور معمولی شئے کیلئے اقامت امارت کا حکم ہے اور وہ بھی تین شخصوں کیلئے تو اس پر قانون الٰہی کو قیاس فرمالیجئے کہ اس کے اجراء کیلئے کس قدر وحدت مرکز اور نظم کی ضرورت ہونا چاہیے کہ جس میں اعدائے دین سے مقابلہ بھی کرنا ہے مجاہدین کی امداد کرنا ہے۔عبادت الٰہی کی اقامت ہے نشر مذہب کے قواعد ہیں۔ بیوہ اور یتیم اور غریب ومسکین کی امداد کے طریقے ہیں۔ضوابط عدل وانصاف میں ایسا مکمل نظام بغیر وحدت مرکز کیونکر قائم ہوسکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے معقول نظام کیلئے حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ہو اور محض تشتت وافتراق سے اس کی حفاظت ہوجائے یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے بقاء اور تحفظ کیلئے وحدت مرکز کو ضروری قرار دیا کہ جو مسئلہ امارت کا ایک عنوان ہے اس حکمت کی طرف عہد حاضر کے مسلمانوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ان کی رفتار بالکل

خلاف شرع وقلب الموضوع ہے اسی امر کا مولوی ابوالکلام آزاد نے اپنے خطبہ صدارت کلکتہ میں اظہار کیا ہے۔

''اسی بنا پر احکام واعمال شریعت کے ہر گوشہ اور شاخ میں یہی اجتماعی واخلاقی حقیقت بطور اصل واساس کے نظر آئی ہے۔ نماز کی جماعت خمسہ اور جمعہ وعیدین کا حال ظاہر ہے۔ بجز اجتماع کے اور کچھ نہیں زکوٰۃ کی بنیاد ہی اجتماعی دنیا کا قیام اور ہر فرد کے مال اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دینا ہے۔ علاوہ بریں اس کی ادائیگی کا نظام بھی انفرادی حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتی حیثیت سے یعنی ہر فرد کو اپنی زکوٰۃ کو خود خرچ کر دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ بدقسمتی سے آج مسلمان کر رہے ہیں اور جو صریحی غیر شرعی طریقہ ہے بلکہ مصارف زکوٰۃ متعین کر کے حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم امام اور خلیفہ وقت کے سپرد کر دے۔ پس اس کے خرچ کی بھی اصلی صورت جماعتی ہے نہ کہ انفرادی۔ یہ امام کا کام ہے کہ اس کا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروری ہو اسی کو وہ ترجیح دے۔ ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا تو جسطرح جمعہ وعیدین وغیرہ کا انتظام عذر کی بنا پر کیا گیا زکوٰۃ کا بھی کرنا تھا۔''

زکوٰۃ کے معاملہ میں غیر شرعی صورت اختیار کر کے اور اس کی وجہ سے

بیت المال کے فقدان نے جو نتائج پیش کئے ہیں وہ اس قدر خراب اور زبوں ہیں کہ جن کی آسانی کے ساتھ تصویر نہیں کھینچی جاسکتی۔ سب سے بڑھ کر جو مصیبت پیش آئی ہے اس کا تعلق تبلیغ اور تعلیم سے ہے یعنی علم دین کی اور احکام دینیہ کی تبلیغ کی کوئی صورت نہ رہی۔ گویا وہی شئے باقی نہ رہی جس کے ذریعہ اسلام باقی رکھا جاسکتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں نے معاملہ زکوٰۃ میں غیر شرعی صورت اختیار کر کے اسلام ہی کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ اگر اسلام ضروری ہے تو اسکے احکام کی تعلیم بھی ضروری ہونی چاہئے مذہبی تعلیم کیلئے اقامت مدارس اسلامیہ ضروری ہے انکا اجراء بغیر صرف مال ممکن نہیں اس کیلئے تحصیل مال منظّم طریق سے ہونا چاہیے کہ جب صرف منظّم ہے تو ضرور ہے کہ آمد بھی منظّم ہو لیکن منظّم آمد اسی وقت ہوسکتی ہے جب زکوٰۃ کا شرعی طریقہ اختیار کیا جائے جب وہ مفقود ہے تو منظّم آمد مفقود اور اس کے فقدان سے امامت مدارس ناممکن اور اس کے عدم امکان سے مذہبی تعلیم کے بقاء کی کوئی صورت نہیں یا دوسرے لفظوں میں بقائے احکام اسلام کی کوئی صورت نہیں نہ اس کے تحفظ کی کوئی ضمانت۔ ایسی حالت میں بقاء اسلام کی توقع رکھنا۔ درحقیقت ایک مذاق ہے۔ جس کے موجودہ مسلمان خوگر ہوگئے ہیں۔ اسلام کے مدعی ہوکر احکام اسلام کی ایسی خواری عہد حاضر ہی میں آتی ہے۔ اسلام مطلوب ہے لیکن اپنے احکام کے بدولت جب

احکام ہی سے بے اعتنائی و بیرخی ہے تو یہ درحقیقت براہ راست اسلام سے بے اعتنائی و بے رخی کے مرادف ہے۔ بطور مثال یہ ایک نظیر پیش کی گئی اسی پر دوسرے احکام کی خرابیوں اور شکستہ حالیوں کو قیاس فرمالیجئے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس نظم شرعی کی ابتری کا سب سے پہلے جس کو خیال آیا وہ زیب آرائے مسند دربار سیال شریف ہیں یعنی عالیجناب محمد ضیاء الحق والدین صاحب سجادہ نشین دربار سیال شریف مدظلہٗ العالی کی ان کے ارشاد اور ایماء پر یہ رسالہ مرتب کیا جاتا ہے جس میں ضرورت اقامت بیت المال کے علاوہ ضروری مسائل عشر وزکوٰۃ بھی درج کئے جائیں گے۔ اس مقصد اور مسائل کی توضیح میں ہم مختلف ابواب قائم کرتے ہیں جس سے مسلمان ایک اہم فریضہ اسلامی سے واقف ہوکر اپنی حالت کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

بیت المال کی تعریف:

بیت المال المجاورہ عرف عام سرکاری خزانہ کا نام ہے اور شرعاً اس مال کا نام ہے جسکو امام الوقت یعنی بادشاہ اسلام نے بذریعہ تحصلین عشر وخراج جزیہ و زکوٰۃ وغیرہ بغرض مصارف شرعیہ جمع کر رکھا ہو اور وقتاً فوقتاً اس کو حسب ضرورت اسلامیہ خرچ کرتا رہے۔

بیت المال کی حقیقت:

قرآن شریف اور احادیث نبویہ ﷺ صحیحہ ونصوص محکمہ سے اہل اسلام کیلئے بیت المال کا ہونا از حد ضروری ثابت ہوتا ہے علماء سلف وخلف کا اسکی اہمیت پر اتفاق ہے بلکہ ترقی اسلام کا یہ اعلیٰ ذریعہ ہے۔ سید الکونین ﷺ کے عہد اقدس سے آج تک جس قدر تاجدار خلافت اسلامیہ ہوگزرے ہیں سب کے سب اس کے اہتمام وانتظام کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کے نام بحیثیت تاجدار اسلامی ارشاد خداوندی صادر ہوتا ہے

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورۃ توبہ:۱۰۳)

"یعنی لے ان کے مال سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو یعنی ان کے ظاہر کو اور پاکیزہ بنادے تو ان کو یعنی باطن کو اس کے ساتھ اور دعائے خیر کیجئے ان کیلئے تحقیق تیری دعا خیر ان کیلئے تسکین ہے اور اللہ سننے والا ہے"۔

اس حکم کی جناب رسالت مآب ﷺ کیساتھ خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ تمام تاجداران خلافت اسلامیہ بحیثیت نیابت رسالت اس کی تعمیل کے مامور ہیں جیسا کہ دربار نبوت ﷺ سے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف قاضی یا والی بنا کر

بھیجتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا اگر اسلام قبول کرلیں تو پھر پانچ وقت میں پانچ نمازوں کی تاکیدی احکام سنا دینا۔اگر اس کو بھی منظور کرلیں تو انکو کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مال کی زکوٰۃ فرض کردی ہے جو اغنیار سے لیکر فقراء کو دی جاتی ہے یہ حدیث صحیح بخاری ومسلم میں موجود ہے۔اس حدیث کی شرح واستنباط میں علماء محققین وفضلا ومحدثین نے نہایت بسط وتفصیل سے بیت المال کا ثبوت دیا ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ خذ من اغنیائھم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام الوقت مالداروں کی طرف محصلین کو واسطے وصول کرنے زکوٰۃ کے بھیجے اور ابن منذر نے کہا کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ یا تو خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر کی جاتی تھی یا آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے اشخاص کو دی جاتی تھی۔یا آپ کے مقرر کردہ محصلین کو یا ان لوگوں کو جن کے دینے کا حکم صادر ہوتا تھا انتہی ترجمہ عبارۃ العینی

غرض زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ واجماع اہل العلم نے بادشاہ اسلام کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔بادشاہ اس کی وصولی کا متولی ہے جب باقاعدہ وصول ہوکر یکجا جمع ہوجاوئے اسکا نام بیت المال ہے پھر اس کے مصارف کا ارشاد ہوا اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ آہ

سید الکونین ﷺ کے عہد اقدس میں بیت المال کا انتظام:

حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں بیت المال کے انتظام واہتمام کا ثبوت احادیث میں سے کافی طور پر ملتا ہے۔

حدیث عرینین جس کو اصحاب صحاح نے روایت کیا ہے اس میں اسی بیت المال کے اونٹ تھے۔ حکام اور ولاۃ محصلین جزیہ وزکوٰۃ پولیس، وقضاۃ وغیرہ ملازمین اسلام کی تنخواہیں اسی بیت المال سے دی جاتی تھیں۔ مقاتلہ وغزاۃ سامان واسلحہ کے تمام اخراجات اسی سے بہم پہنچائے جاتے تھے لاوارث مساکین موتیٰ کو کفن یہیں سے ملتے تھے ان کے قرض یہیں سے ادا کئے جاتے تھے۔

ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کیساتھ مجامعت کرنے سے روزہ ماہ رمضان کا توڑ دیا ہے دربار عالی سے حکم ہوتا ہے کہ کفارہ دے یعنی ایک غلام آزاد کردے۔ عرض کیا اسکی طاقت نہیں پھر حکم ہوا کہ دو ماہ متواتر روزے رکھ عرض کیا یہ بھی نہ ہو سکے گا پھر حکم ہوا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے اس سے بھی ناطاقتی ظاہر کی سرکار عالی نے بیت المال سے ایک بنڈل کھجور کا اس کے حوالہ کر کے ارشاد فرمایا کہ اس کو مساکین میں تقسیم کردے۔ علیٰ ہذا القیاس

ایک شخص کا جنازہ دربار میں لایا جاتا ہے۔ سرکار عالی دریافت فرماتے ہیں کہ کیا اس میت پر قرض تو نہیں۔ حاضرین عرض کرتے ہیں کہ یہ مقروض ہے اور کوئی متروکہ نہیں ہے جس سے ادائے قرض ہو۔ حضور غریب نواز بیت المال میں دیکھ بھال کرتے ہیں اگر بیت المال میں مال موجود ہے تو اس سے اس کا قرض ادا فرما کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں اگر کوئی مال نہیں تو اس کی نماز جنازہ کی ادائیگی سے یکطرفہ ہو کر حاضرین کو حکم فرماتے ہیں کہ صلو علی صاحبکم احادیث دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صدہا امور ہیں جن کا بیت المال متکفل تھا۔

صحابہ اور تابعین کے زمان پاک میں اسکا انتظام:

صحیح بخاری وابوداؤد وغیرہ کتب صحاح میں حدیث موجود ہے کہ جب حضور سید الکونین ﷺ عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے بعض لوگ بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے سے منکر ہوئے تو دربار خلافت سے حکم ہوا کہ جو شخص بیت المال میں زکوٰۃ داخل نہ کریگا اس کے ساتھ جنگ کر کے جبراً زکوٰۃ وصول کی جاویگی۔ اس پر امیر عمر رضی اللہ عنہ معترض ہوئے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا کہاں تک جائز ہے حکم ہوا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا اور جو شخص کہ حضور اقدس کے عہد میں ایک بھیڑ کا بچہ بیت المال میں داخل کرتا تھا اور اب انکار کریگا تو اس سے

ضرور جنگ کی جاوے گی۔ امیر عمر نے اس جوش اسلامی کو دیکھ کر سر تسلیم خم کیا۔

خلافت کے دوسرے دور میں جس قدر بیت المال کا انتظام واستحکام ہوا وہ کسی پر مخفی نہیں علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں کنز العمال وفتوح البلدان وتاریخ طبری سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ تقریباً 15 ھ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ رسالتمآب میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ کی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافت یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کیلئے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی۔ عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال مہارت رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ اس کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبد الرحمٰن بن عبید القاری رضی اللہ عنہ اور معیقیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

معیقیب رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری بردار تھے اور اسی وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافت کے علاوہ تمام صوبہ جات اور مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث، کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنائیں۔ کوفہ میں بیت المال کیلئے ایک محل تعمیر ہوا جس کو رازبہ مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جاوے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ سے اطمینان ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانہ پر

سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ حضرت سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے 40 سپاہی پہرہ پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر کے ارادہ کی مزاحمت کی سیابجہ کی نسبت کی فوج میں داخل تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہوگئی تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ میں آباد کیا صوبہ جات اور اضلاع میں جو خزانہ تھے انکا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کیلئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی چنانچہ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔

یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانہ میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔ مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دارالخلافت کے خزانہ سے خاص دارالخلافۃ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے ان کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں انتہی (الفاروق جلد دوم ص ۵۹)

علی ہذا القیاس جوں جوں خلافت کا دور منتقل ہوتا رہا۔ بیت المال کا انتظام بھی زیادہ استحکام پذیر ہوتا گیا۔ خلافت عثمانیہ میں بیت المال میں بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ خلافت حیدریہ کے دور میں اس سے اور زیادہ خلافت مروانیہ اور عباسیہ کے ادوار میں بیت المال کا وہ انتظام ہوا جس کے بیان کے واسطے دفتر طویل چاہیے۔ خلافت عثمانیہ نے بیت المال کی ترقی کو اس حد تک پہنچایا کہ جملہ کشوران یورپ و ایشیاء نے ان سے سبق حاصل کئے۔

بیت المال کا آمد و خرچ:

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں کتب احادیث و تواریخ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مختلف اغراض و مصالح کے بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ، خراج اول کے سوا بقیہ آمدنی سالانہ تھی۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لے لیتا تھا۔ جس کو اصطلاح میں رباع کہتے تھے اور بقیہ جو مال جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا۔ تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا غزوہ بدر کے بعد خدائے تعالیٰ نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا۔ جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح و اغراض کیلئے

مخصوص فرمایا

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ (سورة الأنفال: ۱)

''یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔''

خدا اور رسول کی ملکیت سے یہ مفقود ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بناء پر خلیفہ جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کرسکتا ہے اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَاعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (اسورۃ الأنفال: ۴۱)

''مسلمانوں جان لو تم کہ جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول (اہل قرابت) اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔''

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا کہ مستضعفین کو عنایت فرمایا ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حصہ سپاہیوں پر برابر تقسیم فرمادیتے تھے سواروں کو تین حصہ پیادہ کو ایک حصہ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا آیت بالا میں جن ارباب استحقاق کا

ذکر ہے زیادہ تر ان ہی مصارف پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ، پھل اور پیداوار، مویشی، اسباب تجارت دوسو درہم چاندی بیس مثقال سونا اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کیلئے ضروری تھا کہ اس کی مقدار پانچ وسق (تین سو صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ ہو، سونا اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقررہ تھا۔ جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمیں کی گئیں۔ ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش کے پانی سے کی جاتی تھی۔ اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا اور جس کو آبپاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کردی فقراء، مساکین، نومسلم، غلام جن کو خرید کرنا ہے۔ مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کار خیر جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی وہیں کے مستحقین پر صرف کردی جاتی تھی صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو

زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ ﷺ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ معاذ بن جبل جب عامل بن کر یمن بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا

صدقتہ توخذ من اغنیائھم وترد الیٰ فقرائھم

جزیہ غیرِ مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔

اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا بچے اور عورتیں اس حکم میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کے مقدار تین سو دینار تھی۔ اذرح کے سو دینار تھے۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔ خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ۔ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو اس کا نام خراج ہے۔ خیبر فدک وادی القری تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔ پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا۔ آپ ﷺ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے رفع اشتباہ کیلئے تخمینہ سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا۔ بقیہ

پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا تھا خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی تمام صحابہ ضرورت کے وقت والنٹیر سپاہی تھے جو کچھ وصول ہو کر آتا تھا آپ ﷺ سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے اول آپ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے ایک رجسٹر پر انکے نام لکھے ہوتے تھے اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ انتہی (سیرۃ النبی حصہ اول ج ۲ ص ۶۲)

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں بیت المال کی آمد وخرچ کی حسب ذیل طریقہ پر تشریح فرمائی ہے۔

مایوضع فی بیت المال انواع اربعة الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ماذکر من المصارف، والثانی خمس الغنائم والمعادن والرکاز ویصرف الیوم الی ثلثة اصناف الیتامیٰ والمساکین وابن السبل والثالث الخراج والجزیة وماصولح علیه بنو نجران من الحلل وبنو تغلب من الصدقة المضاعفة

وما اخذ العاشر من المستامنين وتجار اهل الذمته كذافی السراج الوهاج، وتصرف تلك الیٰ عطا یاالمقاتلته وسدالثغور بناء الحصون ثمه والی صل صد الطریق فی دار الاسلام حتی یقع الامن عن قطع اللصوص الطریق والی صلاح القناطر والجور كذافی محیط السرخسی والی كری الانهار العظام التی لاملك لاحد فیها كالجیحون والفرات ودجله كذافی الشرح الصحاوی۔والی بنا الرباطات والمساجد وسد الثبق وتحصین مایخاف علیه الثبق والی ارزاق الولاة داعوانهم والقضاة والمفتین والمحتسبین، والمعلمین والمتعلمین كذا فی السراج الوهاج ویصرف الی كل من تقلد شیئاً من امور المسلمین والی مافیه صلاح المومنین (كذافی محیط السرخسی) والرابع اللقطات هكذا فی محیط السرخسی وما اخذ من تركة المیت الذی مات ولم یترك وارثا اوترك زوجا اور زوجةً وهذا النوع یصرف الی نفقة المرضیٰ واودیتهم وهم فقراء والی كفن الموتی الذین لامال لهم والی اللقیط وعقل جنایته والی نفقة من

هو ماجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته وما اشبه
ذلك كذافی شرح الطحاوی فعلی الامام ان یجعل بیت
المال اربعة لکل نوع بیتاً لان لکل نوع حکما یختصوبه
لایشار که مال آخر فیه فان لم یکن فی بعضها شئی فلا مام
ان یستقرض علیه ممافیه فان استقرض من بیت مال
الصدقته علی بیت مال الخراج فاذا اخذ الخراج یقضی
المتقرض من الخراج الا ان یکون المقاتلة فقراء لان لهم
حظافیها فلایصیرقرضاً وان استقرض علی بیت مال
الصدقات من بیت مال الخراج وصرفه الی الفقراء لایصیر
ترضاً علیهم لان الخراج له حکم الفی والغنیمة وللفقراء حظ
فیهاوانما لایعطی لهم لاستغنائیهم بالصدقات کذافی
محیط السرخی)

والواجب علی الائمة ان یوصلو الحقوق الی اربابها والا
یحبسونها عنهم ولایحل للامام واعونه من هذه الاموال
الامایکفیهم وعائلتهم ولایجعلونها کنوزاً وما فضل من
هذا الاموال قسم بین المسلمین فان تصرالائمته فی ذلك

فوباله عليهم انتهى۔

ترجمہ: ’’یعنی جو مال بیت المال میں رکھا جاوے وہ چار قسم ہے۔اول مویشیوں کی زکوٰۃ اور عشر اور وہ چیز جس کو عاشر مسلمان سوداگروں سے گزرتے وقت لیتے ہیں اس کا مصرف آٹھ مصارف ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ دوم خمس غنیمت اور معادن اور رکاز کا آج کل ان کا مصرف صرف تین اصناف ہیں یتیم، مسکین، مسافر، سوم خراج اور جزیہ اور وہ کپڑے جن پر بنو نجران نے صلح کی تھی اور دوگونہ زکوٰۃ جس پر بنو تغلب نے صلح کی تھی اور وہ چیز جس کو محصلین زکوٰۃ نے مستامنوں اور زمینوں سوداگروں سے وصول کیا (سراج الوہاج) اور اسکا مصرف مجاہدین کو دینا اور سرحد کا انتظام کرنا اور دارالحرب میں قلعے قائم کرنے اور دارالاسلام میں راستے صاف کرنے تاکہ رہزنوں اور ڈاکوؤں کی زد سے راستہ بے خوف ہو اور پل وغیرہ محکم کرنے (محیط سرخسی) اور بڑی نہروں کی کھدائی کرنا جن میں کسی کی ملکیت نہیں جیسے جیحون فرات، دجلہ (شرح طحاوی) اور مسافر خانے اور مساجد کو بنانا اور نہر کے کناروں کو ناکوں سے بچانا اور امیروں اور قاضیوں اور مفتیوں اور رضا کاروں کو تنخواہیں دینا (محیط سرخسی) اور

معلموں اور طلبا کو وظیفہ دینا اور جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا پیشوا
ہواس کو دنیا اور جس کام میں عام مومنین کی خیر خواہ ہو (محیط
سرخسی) چہارم، لقطہ یعنی غیر مملوکہ چیز حاصل ہونا (محیط سرخسی) اور وہ
چیز جس کو لاوارث میت نے چھوڑا یا اس کا وارث صرف زوج یا زوجہ
ہواس قسم کا مصرف مساکین مریضوں کا خرچ اور ان کی دوائیں اور
مسکین مردوں کو کفن دینا اور لاوارث بچوں کی پرورش کرنا اور ان کی
خبایت کا بدلہ دینا اور لاوارث عاجز پر خرچ کرنا اور جوان کے مشابہ
ہوں۔ (شرح طحاوی)

امام کو لازم ہے کہ چار بیت المال بنادے ہر ایک قسم کیلئے الگ بیت
المال ہو کیونکہ ہر ایک قسم کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے جو دوسرا اس میں شریک نہیں اگر
ان میں سے ایک میں مال نہ ہو تو دوسرے سے قرضہ لے سکتا ہے اب اگر ان
خراجی کے واسطے بیت المال زکوٰۃ سے قرض لیا تو جب مال خراج آجاوے تو
قرضہ ادا کر دیوے ہاں اگر مجاہدین مساکین ہوں تو اس قرضہ کی ادائیگی کی کوئی
ضرورت نہیں کیونکہ اس بیت المال میں مساکین کا حق ہے اور اگر بیت المال
خراجی سے بیت المال زکوٰتی نے قرضہ لیا اور اسکو فقراء کی طرف صرف کیا تو یہ
قرضہ نہ ہوگا کیونکہ خراج غنیمت کے حکم میں ہے اور فقراء کا اس میں حصہ ہی ہاں

ان کو اس لئے خراج نہیں دیا جاتا کہ صدقات کے لینے سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔(محیط سرخسی)

اور بادشاہ اسلام کو لازم ہے کہ مستحقین کو حقوق دیویں اور ان سے اپنے حقوق نہ روکیں اور امام اور اسکے نا ہوں کو صرف انکے اور ان کے عیال واطفال کے گزارہ قدر حلال ہے اور خزانہ جمع نہ کریں اور جو چیز ضروریات سے بچے اسکو مسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہیے اگر اس میں امام قصور کرے تو اسکا وبال اس پر ہوگا۔"

اور مبسوط السرخسی میں بھی اس مضمون کو شمس الائمہ نے بڑی وضاحت کیساتھ ذکر کیا ہے یہاں اس کی عبارت کا بعینہ نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

الحاصل ان مایجئی الی بیت المال انواع اربعة احدھا الخمس مصرفه ماقال الله تبارك وتعالیٰ وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَیْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ الایة قال عطاء بن رباح سهم الله وسهم الرسول واحد وقال قتادة ذكر اسم الله لافتتاح الكلام فكان الخمس ایقم علی عهد رسول الله ا علی خمسة ثم سقط سهم رسول الله بموته عندنا وقال الشافعی هو مصروف الی كل خلیفة بعده لانهم نائبون منابه محتاجون

الی ماکان محتاجاً الیه من جوائز الرسل والو فودولنا ان
الخلفاء الراشدین مارفعوا هذا السهم لانفسهم وان لرسول
الله ا بسبب النبوة ولم ینتقل ذلك الی احدبعده فهم نظیر
الصفی الذی یصطفیه لنفسه وکذلك سهم ذوالقربیٰ بوفات
رسول الله ا عندنا دبیانه فی کتاب السیروبقی المصرف
للیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وجاء فی الحدیث ان الخلفاً
الراشدین قسمو الخمس علی ثلثه اسهم للیتامیٰ والمساکین
وابن السبیل والنوع الصدقات والعشور وقد بینها مصارفها
۔النوع الثالث الخراج والجزیته وما یوخذ من صدقات بنی
تغلب وما یاخذالعاشر من اهل الذمته ومن اهل الحرب
اذاصر واعلیه نهذ النوع مصروف الی نوائب المسلمین ومنها
اعطاء المقاتلته کفایتهم وکفایته عیالهم لانهم فرغو
النفسهم للجهاد ودفع شر المشرکین عن المسلمین فیعطون
الکفایته من اموالهم ومن هذا النوع ایجاد الکراع والا سلحة
وسد الثغورو اصلاح القناطر الحبور وسد الثبق وکری
الاهذا العظام ومنه رزاق القضاة والمفتین والمحتسبین

والملعمين و كل من فرغ نفسه لعمل من اعمال المسلمين على وجه الحسبه فكفايته فى هذا النوع من المال۔

والنوع الرابع تركة من لاوارث له من المسلمين اومن يرثه الزوج اوالزوجته فقط فان الباقى مصروف الى بيت المال ومايوجدمن اللقطة اذا لم يعرفها احد فهو مرضوع فى هذا النوع من بيت المال و مصرف هذا النوع نفقة اللقيط وتكفين من يموت من المسلمين ولا مال له فعلى الامام ان يتقى الله فى صرف الاموال الى مصارف فلايدع فقيراً الااعطا حقه من الصدقات حتى يغنيه وعياله انتهى من عينى (جلد۳ص۱۸)

حاصل یہ ہے کہ جو مال بیت المال کی طرف لایا جاتا ہے چار قسم ہے اور اول خمس اوراس کا مصرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ میں بیان فرمایا ہے عطا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ ایک ہی ہے اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نام شروع کلام کیلئے مذکور ہے پس حضور کے عہد اقدس میں خمس کے پانچ حصے کئے جاتے تھے پھر حضور کے انتقال سے آپ کا حصہ ہمارے نزدیک ساقط ہوگیا اورامام شافعی نے کہا کہ جو خلیفہ آپ ﷺ کے بعد ہوا کریگا وہ خمس کا پانچواں

حصہ لیتا رہے گا کیونکہ آپ کا نائب ہے اور جو حاجتیں آپ کو تھیں ان کو بھی ہوتی ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے اپنے واسطے یہ حصہ نہیں لیا اور آپ کو یہ حصہ نبوت کی وجہ سے ملتا تھا نبوت کسی کی طرف منتقل نہیں ہوئی نہ یہ حصہ منتقل ہوگا یہ صفی کی مثل ہے جو آپ اپنے واسطے چن لیتے تھے اور اسی طرح ذوی القربیٰ کا حصہ بھی ہمارے نزدیک آپ کی وفات سے ساقط ہوگیا اور اس کا مفصل بیان کتاب السیر میں ہے باقی رہا مصرف یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے اور حدیث میں آیا ہے کہ خلفاء راشدین خمس کو تین حصہ پر تقسیم کرتے تھے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے واسطے دوسری قسم صدقات اور عشر ہیں ان کے مصارف پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ تیسری قسم خراج و جزیہ ہے اور وہ صدقات جو بنی تغلب سے لئے جاتے ہیں اور وہ چیز جس کو محصلین نے ذمیوں اور حربیوں سے ان پر گزرتے وقت وصول کی ہے یہ قسم حوائج مسلمین پر خرچ ہوگی اور اسی سے مجاہدین اور ان کے اہل وعیال کو خرچ دیئے جاویں گے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد اور دفع شر مشرکین کے واسطے فارغ کر رکھا ہے پس انہیں کے مال سے ان کو خرچ دینا چاہیے اور اسی قسم سے ہی تیاری سامان جنگ اور سرحد کا انتظام اور پلوں کی اصلاح اور نہر کے ناکوں کی محکمی اور بڑی نہروں کی کھدائی اور قاضیوں اور مفتیوں اور رضا کاروں اور معلموں کی تنخواہیں اور ہر اس شخص کا وظیفہ جس نے

اپنی جان کو مسلمانوں کی خیر خواہی کے کسی کام میں بلا تنخواہ مصروف کر رکھا ہو۔

اور چوتھی قسم لاوارث مسلمان کا ترکہ یا جس کا وارث سوائے زوج یا زوجہ کے نہ ہو کیونکہ باقیماندہ بیت المال کی طرف منتقل ہو گیا اور یافتہ چیز جس کا مالک معلوم نہیں وہ بھی اسی بیت المال میں داخل ہو گی اس کا مصرف لاوارث معصوم اور مسکین مسلمان میت کا کفن ہے۔

امام کو لازم ہے کہ احتیاط سے خرچ کرے کوئی فقیر ایسا نہ رہے جس کو حق نہ ملا ہو یہاں تک کہ اس کو اور اسکے اہل وعیال کو مستغنی کر دے۔

درالمختار میں منظومہ ابن شحنہ جس میں آمد و خرچ بیت المال کو احسن طریق سے ذکر کیا ہے مذکور ہے

بیوت المال اربتہ لکل

مصارف بیننتھا العالمون

بیت المال چار قسم ہے ہر ایک کیلئے مصرف جداگانہ ہے کہ انکو علماء نے بیان کیا ہے مرشہ بتلانی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ امام کو چاہیے کہ ہر قسم کا مال جدا رکھے اور آپس میں ایک دوسرے کو نہ ملا دے اور جب امام کو کسی مصرف کی ضرورت ہو اور اس مصرف کے خزانہ میں اس قدر نہ ہو جو اس کو پورا کر سکے تو دوسرے بیت المال سے قرض لیکر کاروائی کرے پھر جب اس مصرف کا مال

آجاوے تو جس جگہ سے وہ مال قرض لیا تھا اس کو ادا کر دے مگر جس صورت میں مال صدقہ ہو یا غنیمت کا خمس اور اگر اس کو خراج والوں پر صرف کیا ہو اور وہ فقیر ہوں تو ادا کرنیکی ضرورت نہیں کیونکہ فقیر ہونے کی حیثیت سے وہ مستحق صدقہ کے ہیں

فاولها الغنائم والكنوز

ركاز بعدها المتصدقون

چار قسموں کا پہلا بیت المال الغنائم والکنوز والرکاز ہے اور اس کو بیت المال الخمس والمعادن والرکاز کہتے ہیں اور رکاز میں الف لام اور عاطف ضرورت شعری کی جہت سے حذف کیا گیا اور بعد اس کے بیت مال المتصدقین ہے یہ دوسرا بیت المال ہے اس میں زکوٰۃ سوئم اور اراضی کا عشر اور جو عاشر مسلمان تاجروں سے لیتا ہے رکھا جاتا ہے

وثالثها خراج مع عشور

وجالية يليها العاملون

اور تیسرا خراج ہے مع عشر بنی تغلب وغیرہم کے اور جزیہ کہ متولی ہوئے ہیں اور اس کے کار پردازان حاکم کے بدائع میں کہا ہے کہ تیسرا بیت المال زمینوں کا خراج اور جزیہ جو فی کس مقرر کیا جاتا ہے اور جو بنی بجران سے کپڑوں

پر صلح واقع ہوئی تھی اور جو صدقہ مضاعف کہ بنی تغلب پر بصلح قرار پایا تھا اور وہ جو عاشر ذمی تاجروں سے لیتے ہیں یا حربی مستامن سے مرشہ بنلالی اپنے رسالہ میں زیلعی سے یہ زیادہ کہا ہے۔

کہ ہدیہ حربیوں کا اور جو ان سے بغیر قتال کے لیا جاوے یا کچھ بسبب مصالحہ واسطے ترک قتال کے لیا جاوے پہلے اس سے کہ لشکر کی اوپر چڑھائی ہو پس عشور سے مراد وہ ہے کہ جو اہل ذمہ اور مستامنوں سے لیا جاتا ہے اور جالیہ اہل ذمہ ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عرب سے جلاوطن کر دیا تھا پھر عرف ہیں جزیہ کو کہنے لگے

ورابعها الضوائع مثل مالا

یکون له اناث وارثون

اور چوتھا بیت المال ضوائع یعنی لقطوں کا ہے۔ مانند ان اشیاء کے کہ نہ ان کو کوئی وارث یعنی مانند اس ترکہ کے جس کا کوئی وارث بالکل نہ ہو یا ہو لیکن اس پر رد نہ ہوسکتا ہے جیسے زوجین میں سے کوئی سا ہو

فمصرف الاولین اتی نبص

وثالثها حواه مقاتلون

پس مصرف دونوں پہلی قسموں کا منصوص ہے قرآن شریف میں

وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ میں ہےاور مصرف دوسری قسم کا آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ آہ میں ہےاور تیسری قسم کا مصرف مقاتل یعنی فوج اسلام ہے۔

ورابعها فمصرفه جهات

تساوى النفع فيها المسلمون

اور چوتھی قسم کا مصرف وہ صورتیں ہیں جن میں نفع سب مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ یہ موافق ہے اس کے جو ابن ضیاء نے غزنویہ میں بزدوی سے نقل کیا ہے یعنی یہ کہ صرف کیا جاوے مسلمانوں کے منافع میں مثل تعمیر پلوں اور رباط اور مساجد اور ثغور یعنی اعداء کے روکنے کا۔ درہ اور قاضیوں اور علماء کے روزینہ اور مجاہدوں کی قوت اور ان سب کی اولاد کی قوت میں اور جو اس کے مشابہ ہوں لیکن مخالف ہے اس کے جو ہدایہ اور زیلعی میں ہے یعنی ہدایہ اور اکثر کتب میں یہ ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے وہ تیسری قسم کا ہے اور چوتھے کا مصرف جو مشور ہے وہ یہ ہے کہ لقیط جو فقیر ہو اور فقراء جن کا کوئی ولی نہ ہو تو اس قسم سے نفقہ اور دوا اور کفن اور جنایت کا عوض خرچ کیا جاوے جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے

حاصل یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں

(کذا فی الشامی غایۃ الاوطار کتاب الزکوۃ ص ۴۱۵)

عہد اقدس میں محصلین کا تقرر:

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں گو مسلمانوں نے اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کر دیا تھا صرف اشارہ کی دیر ہوتی صدقات فرضیہ کیا بلکہ نفلیہ کی بھی ڈھم ڈھیر ہو جاتی مگر تاہم حضور کریم ﷺ دربار نبوت کی طرف سے محصلین زکوٰۃ مقرر فرمایا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً باوجود موثوق و عادل ہونے ان کے ان سے محاسبہ بھی ہوتا تھا جیسا کہ کتب احادیث و تواریخ سے اس کی پوری صداقت پائی جاتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ ''عرب کا فیوض اور جوش ایمانی اگر چہ خود ان کو صدقہ وزکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آپ ﷺ خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کیلئے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لئے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم 9ھ آپ اپنے صدقہ وصول کرنے کیلئے ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ وخراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔عموماً خود روسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقرر وقتی تھا۔بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام

دہی کیلئے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں میں متعین فرمایا

نام محصل	مقام تقرر	نام محصل	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ایک ہذیمی	بنو ہذیم
بریدہ بن حصیب اسلمی	غفار و اسلم	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
زبرقان بن بدر	بنو سعد	خالد	صوبہ یمن
ضحاک بن صفیان کلابی	بنو کلاب	محمد بن جزر الاسدی	تحصیل خمس
ابو جہم بن حذیفہ	بنو لیث	مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
عبدۃ بن جراح	شہر نجران	رافع بن مکیت جہنی	جہدنیہ
ابو موسیٰ اشعری	صوبہ یمن	عمرو بن عاص	بنو فرارہ
عمرو بن سعید بن عاص	تیماء	عبداللہ بن اللتبیہ	بنو زبیان
صفوان بن صفوان	بنی عمرو	عمر فاروقؓ	شہر مدینہ
عباد بن بشر اشہلی	سلیم و مزینہ	زیاد بن لبید	حضر موت
قیس بن عاصم	بنو سعد	ابان بن سعید	بحرینؔ
بشر بن صفیان کبی	بنو کب	عیہ بن حص فرازی	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

(ا) ان کو فرمان ہوتا تھا جس میں تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی

کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاك وكرائم اموالهم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سر مو تجاوز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی جو جنگلوں میں بیابانوں میں۔ پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دینوی حکومتوں ک طرح جابرانہ احکام کیساتھ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر محصلین زکوٰۃ کے سامنے پیش کرتے محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا۔

(۳) اگرچہ صحابہ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کر کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اے خدا کے دشمنو کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل

اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود انکا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن لتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا جب وہ واپس آئے اور ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کا مال ہے اور مجھے ہدیۃً ملا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اک عام خطبہ اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔

(۴) چونکہ آپ ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لئے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کیلئے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔

(٦) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا آپ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقرر شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے مقدار ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرمادی تھی

من كان لنا عملاً فليكتسب زوجة وان لم يكن له خادم فليكتسب خادماً وان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكناً

ومن اتخذ غير ذلك فهو غال

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا اگر مکان نہ ہو تو گھر کا لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا وہ خائن ہے۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا چنانچہ ان کے عہد خلافت میں جب صحابہ نے زہد و تقدس کی بناء پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آپ ا کے اس طرز عمل سے استدلال کیا۔

(انتہی سیرۃ النبی جلد دوم ص ۵۶)

الحاصل محصلین کا تقرر بغرض وصول کرنے زکوٰۃ وغیرہ صدقات کے اسلام میں ایسا ضروری ہے جس کا کوئی شخص بھی انکا نہیں کرسکتا۔ انکار کرنے کی کسی کو مجال کیا ہے جبکہ خود سید الکونین او خلفاء الراشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین و من بعدہم نے اس کو عمل میں لایا بلکہ قرآن شریف سے اسکا کافی ثبوت ملتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ:۶۰)

عاملین محصلین کا نام ہے علاوہ بریں مجتہدین شیعہ نے بھی اس کا ثبوت اپنی کتابوں میں دیا ہے

قال ابو عبد الله علیه السلام لمانزلت آیة الزکاة خذ من الوالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها وانزلت فی شهر رمضان فامر رسول الله ا منادیه فنادی فی الناس ان الله قد فرض علیکم الزکوٰة کما فرض علیکم الصلوٰة الی آخر ماقال ثم قال ایها المسلمون زکوٰة اموالکم تقبل صلواتکم قال ثم وجه عمال الصدقه وعمال الطسوق رواه الکلینی فی فروع الکافی (جلداول،ص ۳۸۵)

ابوعبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب آیت زکوٰۃ کی خذ من اموالھم صدقۃ ماہ رمضان میں نازل ہوئی تو آپ نے منادی کا حکم دیا کہ لوگوں میں تشہیر کردے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کر دیا ہے جیسا کہ نماز فرض کی تھی۔ یہاں تک کہ آخر حدیث میں کہا کہ اے مسلمانو! مال کی زکوٰۃ ادا کروتا کہ تمہاری نمازیں مقبول ہوں کہا کہ پھر آپ نے محصلین زکوٰۃ وعشر کو مقرر کر کے بھیج دیا۔

محصلین کے آداب:

محصلین زکوٰۃ اگر حق پرستی اور عدالت پر چلیں اور قواعد مجوزہ کی پابندی کا پورا لحاظ رکھیں تو ان کا درجہ غازیوں سا ہے۔ جیسا کہ رافع ابن خدیج کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور اگر حق پرستی اور انصاف کے برخلاف چلیں اور کمی بیشی کریں یا قواعد کی پابندی نہ کریں تو خائنین ہوں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ محصلین کو امور ذیل کی پابندی ضروری کرنی چاہیے۔

(۱) ہر ایک مال کے نصاب کا لحاظ رکھے نصاب سے کم میں زکوٰۃ معاف ہے۔

(۲) عمدہ اور برگزیدہ مال لینے کا اصرار نہ کرے بلکہ اوسط مال لے

(۳) حق سے زیادہ نہ لے اور نہ کم

(۴) مال داروں کو بیجا تکلیف نہ دے بلکہ خود وہاں جا کر زکوٰۃ وصول کرے۔

(۵) اس دورہ میں جو مال جمع ہو سب بیت المال میں داخل کرے اس سے کوئی چیز اپنی ذات کے واسطے مخصوص نہ کرے

(۶) سید ہاشمی کو محصل نہ بنایا جائے۔

(۷) محصل جب زکوٰۃ وصول کرلے تو صاحب اموال کے واسطے دعا کرے

(۸) محصلین اگرچہ اغنیا ہوں ان کو بیت المال سے تنخواہ بقدر گزارا جائز ہے بعد جمع خزانہ کرنا جائز نہیں ہے

محصلین کو راضی کر کے واپس کرنا:

ابوداؤد نے جریر بن عبد اللہ سے رایت کیا ہے کہ چند لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ بعض محصلین ہمارے پاس آکر ظلم کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ محصلین کو راضی کرو اگرچہ وہ تم پر ظلم کریں۔

اور نیز ابوداؤد نے جابر بن عتیک سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس چھوٹا سا قافلہ آویگا جو تمہیں برا معلوم ہوگا۔ جب وہ تمہارے پاس آوے تو ان کو مرحبا کہو۔ اور جو مال زکوٰۃ طلب کریں ان کے حوالہ کردو پس اگر عدل کریں گے تو اس کا فائدہ انہیں کو ہوگا اور اگر ظلم کریں گے تو اس کا وبال بھی انہیں پر ہوگا۔ اور تم ان کو راضی کیا کرو اس واسطے کہ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل انہیں کی رضامندی پر منحصر ہے اور چاہیے کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔ اور مسلم نے جریر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے

فرمایا کہ جب محصلین زکوٰۃ تمہارے پاس آویں تو چاہیے کہ تم سے راضی ہوکر واپس ہوں۔

اور ابوداؤ نے بشیر بن خصاصہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! زکوٰۃ کے محصلین ہم پر زیادتی کرتے ہیں کیا اس قدر مال جو زیادتی کرتے ہیں ہم ان سے چھپالیا کریں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں

محصلین کی طرف ادا کرنے کے بغیر زکوٰۃ کا ادا نہ ہونا

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں باب الزکوٰۃ هل یاخذها الامام ام لا۔ کے ضمن میں کہا ہے کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ امام کو محصل مقرر کر کے مسلمانوں سے زکوٰۃ نہیں لینی چاہیے بلکہ مسلمانوں کو اختیار ہے کہ خواہ امام کو بخوشی خود دیویں تا کہ امام اس کو مصارف شرعیہ پر خرچ کرے خواہ خود بخود ان مصارف پر تقسیم کردیں اور امام کو جراً ان سے زکوٰۃ لینا نہیں چاہیے اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کی ہیں جن کا آخر میں یہ جواب دیا کہ جو عشر یہود و نصاریٰ سے لیا جاتا تھا جس کو ٹیکس کہتے ہیں وہ مسلمانوں سے نہ لیا جائے ان احادیث سے وہی مراد ہے اور دوسرے لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ امام کو چاہیے کہ محصلین کو مالداروں کی طرف بھیج کر باقاعدہ زکوٰۃ وعشر وصول کرا کر مستحقین پر

صرف کرے یا یہ کہ خود مالداروں کو حکم دیدے کہ وہ خود بخود مصارف شرعیہ پر
صرف کریں غرض یہ تمام امور امام ہی کی تحویل میں ہیں خواہ بذریعہ صاحب
الاموال ان مصارف کو پورا کرادے یا بذریعہ محصلین کے امام طحاوی نے اسی اخیر
مذہب کو پسند فرما کر مسلم رکھا ہے اور اسی کے مطابق احادیث ذکر کیے ہیں

عن الرحمن بن مهران ان عمر بن عبد العزيز كتب الى
ايوب بن شرحبيل ان يخذ من المسلمين من كل اربعين
ديناراً ديناراً من اهل الكتاب من كل عشرين ديناراً ديناراً
اذا كانوا رويرونها ثم لاتاخذ منهم شيئا حتى راس الحول
فانى سمعت ذلك ممن سمع النبى ا ففى هذا الحديث امر
رسول الله ا ان ياخذ وامن اموال المسلمين ماذكرنا ومن
اموال اهل الذمه ماوصفنا رواه الطحاوى باسناده وقدروى
عن عمر بن الخطاب ماقد وافق هذاروااه الطحاوى قال انس
بن مالك لانس بن سيرين او اكتب لك سنة عمر قال اكتب
سنة عمر قال فكتب خذ من المسلمين من كل اربعين
درهمادرهما من اهل الذمة من كل عشرين درهماً درهماً
وممن لازمة من كل عشرة دراهم درهماً قال قلت من لازمة

له قال الروم كانوا يقدمون من الشام فلما فعل عمر هذا
بحضرت اصحاب رسول الله فلم ينكره عليه منهم احد
كان ذلك حجة واجماعاً منهم عليه فهذا وجه هذا الباب من
طريق الآثار وما وجه من طريق النظر فانا قدرايناهم انهم
لايختلفون ان للامام ان يبعث الى ارباب المواشي السائمة
حتى يا خذمنهم صدقة مواشيهم اذآ وجبت فيها الصدقة
وكذالك يفعل في اثمارهم ثم يضع ذلك في مواضع
الزكوٰة على ماامربه عزوجل لايابى ذلك احد من المسلمين
فالنظر علىٰ ذلك ان يكونا بقية الاموالا ن الذهب والفضة
واموال التجارة كذلك۔ فاما معنى قول رسول الله ا ليس
على المسلمين عشوران العشورعلى اليهودو النصارىٰ فعلى
مافسرته فيما تقدم من هذا الباب وقد سمعت ابابكرة
يحكي ذلك عن ابي عمر بن الضريرو هذا كله قول ابي
حنيفة وابي يوسف و محمد رحمهم (رواہ الطحاوی، ص۳۱۴)

یعنی عمر بن عبدالعزز نے اپنے عامل کی طرف جس کا نام ایوب تھا لکھا
کہ مسلمانوں کے مال سے چالیسواں دینار لے لے اور اہل کتاب کے مال سے

بیسواں دینار جب اس کو پھیریں پھر سال تک ان سے کوئی مطالبہ نہ کرے کیونکہ یہ بات میں نے اس شخص سے سنی ہے جس نے آپ اسے سنی ہے۔ پس اس حدیث میں رسول اللہ ا نے محصلین کو حکم فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے مالوں سے وہ قدر وصول کریں جو مذکور ہوا اور ذمیوں کے مال سے وہ قدر جو موصوف ہوا یعنی امیر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کا واقعہ مروی ہے۔ انس بن مالک نے انس بن سیرین سے کہا کہ کیا تجھ کو طریقہ امیر عمر کا لکھ دوں اس نے کہا کہ ہاں اس نے لکھا کہ مسلمانوں کے مال میں سے چالیسواں درہم اور اہل ذمہ کے مال سے بیسواں درہم اور حربیوں کے مال سے دسواں درم لیا۔ میں نے کہا حربی کون ہیں کہ رومی جو شام سے آتے تھے۔ پس جب امیر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ روبرو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کر دیا اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا تو اعلیٰ درجہ کی دلیل اور اجماعہ صحابہ کا اس مسئلہ پر ہو گیا۔ یہ وجہ تو اس باب کی ہے احادیث کے طریق سے اور نظر کی طریق سے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسبارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ امام مالداروں کی طرف محصل کو واسطے وصول صدقات کے بھیجتا ہے جب ان میں زکوٰۃ واجب ہوئی اور ایسے انکے پہلو میں پھر اسکو زکوٰۃ کے مصرف پر صرف کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس پر کوئی مسلمان بھی انکار نہیں کرتا اس پر نظر کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

سونا چاندی اور مال تجارت بھی اسی طرح ہوگا اور حدیث لیس علی المسلمین عشـــــورا آه کا وہی معنی ہے جو پہلے مذکور اور میں نے ابا بکرہ سے سنا ہے جو حکایت کرتا تھا ابی عمر ضریر سے اور یہ تمام امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

اس تحقیق سے یہ امر ثابت ہوا کہ عشر وزکوٰۃ کی وصولی کیلئے امام انتظام کرے اور اسی کو امام طحاوی نے ترجیح دی ہے اور یہی مذہب آئمہ ثلثہ حنفیہ کا ہے اور یہی معمول بہ خلفاء اسلام کا سلف سے خلف تک چلا آیا ہے اور اسی پر اجماع اہل اسلام ہے جس کی تصریح سابقاً مذکور ہوئی۔

صحیح بخاری کی حدیث جس کو معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا۔ صدقة توخذ من اغنیائهم وتردالی فقرائهم کی شرح میں علامہ قسطلانی نے فرمایا ہے یاخذها الامام اونائبه انتهی۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا مجاز صرف امام یا اس کا نائب یعنی محصل ہی ہے اور آیت شریفہ خذ من اموالهم صدقه کا منطوق بھی خاص اسی کو مقتضی ہے۔ اب آیت اور حدیث اور اجماع صحابہ جس کو طحاوی نے ذکر کیا ہے اور امام اعظم وابو یوسف ومحمد کا قول اور خلفاء راشدین کا معمول۔ یہ ان تمام نے اس مدعا کو واضح کر دیا کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات فرضیہ کی وصولی کا متولی صرف امام

یا اس کا نائب ہے نہ غیر۔

اب اس کی تائید کیلئے جزئیات فقہ پیش کئے جاتے ہیں ذرا غور سے سنئے۔ جاننا چاہیے کہ اموال دو قسم ہیں۔ ظاہرہ و باطنہ اموال ظاہرہ وہ ہیں جن کی زکوٰۃ بادشاہ ہی لیتا ہے جیسے مویشی اور عشری و خراجی اور وہ مال جس کو محصلین کے سامنے لایا جاوے اور جزیہ اور اموال باطنہ نقود اور اسباب تجارت کو کہتے ہیں جہاں تک اپنے گھر میں ہو، ''شامی''

اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا مستحق امام وقت یا وہ شخص جس کو امام نے اس کام کیلئے منتخب کر رکھا ہو۔ اس میں مالک اموال کو اجازت نہیں کہ خود بخود کسی فقیر یا مسکین کو بلا وساطت امام دیدیوے۔ بلکہ اگر اس نے خود بخود مساکین وغیرہ میں تقسیم کر بھی دیا تو امام اس سے دوبارہ وصول کر سکتا ہے اور جو پہلے اس نے ادا کیا ہے وہ نفل ہو جائیگی اور یہی زکوٰۃ ہوگی جس کو امام نے وصول کیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں زکوٰۃ مویشی کے بارہ میں لکھا ہے

ولوقال فی السوائم ادیت الی الفقراء فی المصرلا یصدق بل یوخذ منہ ثانیاً وان علم الامام بادائہ والزکوٰۃ ھو الثانی والاول ینقلب نفلاً ھوالصحیح ھکذا فی البتئن انتھی

(جلد اول ص ۱۴۶)

''اگر کہے کہ میں نے جانوروں کی زکوٰۃ شہر میں مساکین کو دیدی ہے تو اس کو سچا نہ کہا جاویگا بلکہ اس سے دوبارہ زکوٰۃ لی جاویگی اگرچہ امام کو اس کے پہلے ادائی کا علم بھی ہو اور زکوٰۃ دوسری ہوگی اور پہلی نفل ہوجائیگی۔''

اور شمس الائمہ سرخسی نے عشر اراضی کے بارہ میں مبسوط میں لکھا ہے

واذ قال صاحب الارض قد اديت العشر الى المساكين لم يقبل قوله وان حلف علىٰ ذلك لان حق الاخذ فيه الى السلطان فكان نظير زكوٰة السوائم انتهى جلد ۳ص ۸۔

وفى الخبريته لايصدق اذا قال اديتها انالان فقراء اهل الذمته ليسو ابمصارب لهذا الحق وليس له ولايت الصرف الى مستحقه وهو مصالح المسلمين انتهى جلد اول ۱۴۶۔وفى الفصل الرابع وهو مااذا قال اديت بنفسى الى الفقرا لا يصدق وان حلف وقال الشافعى يصدق آه هدايه،

''جب صاحب زمین کہے کہ میں نے عشر مساکین کو دیدیا ہے تو اسکا قول قبول نہ کیا جائیگا اگرچہ اس پر حلف بھی اٹھائے کیونکہ عشر کی وصولی کا حق بادشاہ کا ہے یہ بھی مویشیوں کی زکوٰۃ کی مثل ہے اور جزیہ کے بارہ میں فتاویٰ

عالمگیریہ میں لکھا ہے اور جزیہ کے بارہ میں فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے اور جزیہ میں اسکی تصدیق دی کی جائے گی۔ جب کہے کہ میں نے فقیروں کو دیدیا ہے کیونکہ ذمی فقیر اس حق کے مصرف نہیں اور اسلامی مصالح پر خرچ کرنے کی اسکو ولایت نہیں اور چونکہ جزیہ تین قسم ہے جزیہ مال جزیہ ارض وجزیہ راس جیسا کہ شامی میں ہے اور جزیہ ارض خراج کو کہتے ہیں لہذا اخراج کا حکم بھی جزیہ کے ذکر میں آ گیا اس کا علیحدہ ذکر نا فضول ہے فصل چوتھی میں وہ یہ ہے کہ جب مالک مال کہے میں نے خود بخود زکوٰۃ فقراء کو دیدی ہے شہر میں تو سچا نہ کیا جاوے گا اگرچہ حلف اٹھاوے اور امام شافعی نے کہا کہ اس کی تصدیق کی جاوے گی۔''

اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالک الاموال فقراء و مساکین کو خود بخود دے سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے گھر سے نکالنے سے پہلے ادا کر دیں۔ اگر پہلے ادا نہ کیا اور باہر نکالا تو وہ بھی اموال ظاہرہ کے ساتھ لاحق ہوجاویں گے اس کی زکوٰۃ کی وصولی کا استحقاق امام یا محصل کو ہوگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے کہ مال باطنہ میں صاحب مال کو اس کی زکوٰۃ فقیروں کی طرف ادا کرنے کی اجازت اس حد تک ہے جب تک اپنی جگہ میں ہو۔ جب اپنے مکان سے باہر نکالا تو اس کی زکوٰۃ کی ولایت اس سے منتقل ہو کر امام کو مل گئی اور اس کا کوئی حق باقی نہ رہا اور کفایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ جب مالک مال یہ کہے کہ میں نے فقیروں کے درمیان اس مال

کی زکوٰۃ کو تقسیم کر دیا ہے حالانکہ وہ اموال ظاہرہ ہیں یا باطنہ مگر شہر سے نکال لایا ہے تو اس کو سچا نہ مانا جاوے گا اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس کی تصدیق کی جاوے گی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے تو جب حقدار کو اپنا حق مل گیا تو اس سے دوبارہ نہیں لیا جا سکتا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وصولی کا حق سلطان کا ہے قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ وقال علیہ السلام خذ من الابل الابل. اب مالک کو یہ اختیار نہیں کہ بادشاہ کا حق باطل کر دے۔

اور فتح القدیر میں ہے کہ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ امام اس سے دوبارہ زکوٰۃ لے لے اگرچہ اس کو پہلے ادائی کرنے کا علم بھی ہو اور غایۃ الاوطار میں ہے لیکن سوائم اور اموال باطنہ میں بعد نکالنے شہر سے نہ مانا جاوے اس لئے کہ اموال مذکورہ نکالنے کی جہت سے اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہو گئے پس حق لینے زکوٰۃ ان میں امام کو ہوگا پس یہ زکوٰۃ ہوگی اور پہلا نفل انتہی اور مبسوط سرخسی جلد 2 ص 161 میں ہے

فان قال دفعتها الی المساکین لم یصدق وتوخذ منه الزکوٰۃ عندنا وقال الشافعی یصدق فی ذلك

اگر مالک کہے کہ میں نے زکوٰۃ مساکین کو دیدی ہے تو سچا نہ کیا جاوے گا اور دوبارہ اس سے زکوٰۃ لی جاوے گی۔

الحاصل تمام اموال کی زکوٰۃ سوائے امام یا محصل کے اگر مالک خود بخود فقراء وغیرہ کو تقسیم کردیوے تو امام اس سے دوبارہ لے سکتا ہے اگرچہ امام کو اس بات کا یقین بھی ہو کہ اس نے ضرور اس مال کی زکوٰۃ فقراء کی طرف ادا کردی ہے۔ خواہ عشر ہو یا خراج یا زکوٰۃ مویشی ہاں البتہ اموال باطنہ یعنی نقود واسباب تجارت وہ بھی بشرطیکہ شہر سے باہر نکالنے سے قبل ادا کردے اور اس پر حلف اٹھاوے تو اس صورت خاص میں اس کے قول کو معتبر سمجھ کر اس کو بری الذمہ تصور کیا جاسکتا ہے وہ اس واسطے کہ اموال باطنہ کی ادائی زکوٰۃ کی ارباب الاموال کو امام کی طرف سے اجازت ہوتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر ایک فرد بشر کے اموال خانگی کا مطالبہ اور محاسبہ اور عمال کے تقرر میں حکومت کو از حد تکلیف ہے۔ علاوہ بریں عمال اور افراد رعیت کا آپس میں کشمکش ہونے کا لحاظ ہے جس میں رعیت اور عمال دونوں کو تکلیف ہے بناء علیہ ایسے اموال کی زکوٰۃ ارباب الاموال کی تحویل میں کی گئی۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ اگر امام ارباب الاموال کو ادائے زکوٰۃ کی اجازت دیدے تو جائز ہے بہر حال و بہر کیف زکوٰۃ کا انتظام کرنا اہل اسلام کیلئے از حد ضروری ہے ایسا نہیں چاہیے کہ بے انتظامی سے جس کی مرضی ہوئی جس کو جی چاہا دیدیا پورا ہو یا نہ ہو خواہ لینے والا مستحق ہو یا نہ ہو کیونکہ شارع نے ہر ایک امر شرعی کا انتظام سے سرانجامی کا حکم فرمایا ہے

اہل سنت والجماعت کی روایات تو آپ نے سن لئے ہیں اب شیعہ کی روایات کو ذرا کان رکھ کر سن لیجئے

عن ابن جعفر وابی عبد الله علیهما السلام انهما قال فی رجل یکون فی بعض الاهواء الحروریته والمرجیة والعثمانیة والقدریة ثم یتوب ویعرف هذا الامر ویحسن رایه النعید کل صلوٰة صلاها اوصوم اوزکوٰة اوحج اولیس له اعادة شئی من ذلك قال لیس علیه اعادة شئی من ذلك غیر الزکوٰة لابدان یودیها لاه وضع الزکوٰة فی غیر موضعها وانما موضعها اهل الولایته رواه الکلینی فی فروع الکافی

(جلد اول ص310)

”ابو جعفر اور ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرد کے بارے میں کہا کہ وہ بعض بدمذہبوں میں ہوتا ہے حروریہ اور مرجیہ اور عثمانیہ اور قدریہ پھر تائب ہوتا ہے اور اس کام کو پہچان کر اچھا جانتا ہے کیا تمام نمازیں اور روزے اور زکوٰۃ اور حج جو ان ایام میں کئے ہیں ان اعادہ کرے یا نہ انہوں نے کہا کہ سوائے زکوٰۃ کے دوسرے کسی کام کا اعادہ نہ کرے اور زکوٰۃ کا اعادہ اس واسطے کرے کہ اس

نے اسکو غیر محل میں ادا کیا ہو اس کا محل اہل ولایت ہیں یعنی امام

الوقت۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ عشر وزکوٰۃ کے وصول کرنے کا مستحق امام الوقت ہے یا اس کا نائب یعنی محصل ہے۔ تمام مذاہب میں خواہ اہل سنت ہوں یا شیعہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ زکوٰۃ انفرادی حالت میں ادا ہو جاتی ہے۔

جہاں تک اسلامی فرائض میں نظر غائر ڈالی جاتی ہے تو سوا اسکے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ حالت اجتماعی بہ نسبت انفرادی کے شارع کو نہایت محبوب ہے مثلاً نماز دن رات میں صرف پانچ ہیں لیکن یہ نہیں کہ جس وقت کسی کی مرضی ہو اس وقت پانچوں فرض ادا کرے بلکہ اس کیلئے اوقات مخصوصہ کا تعین ہوا۔ جیسا ارشاد ہوتا ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا۔ یہ اس لئے کہ تعین اوقات کئے بغیر اجتماع ناممکن تھا اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ ساتھ ہی جماعت کا حکم ہوا۔ جس میں ایک کو پیشوا بنا کر باقی تمام اہل اسلام اس کی اقتدار میں فریضہ الٰہی سے سبکدوش ہوں۔ اس اجتماع کی ایسی تاکید فرمائی کہ کبھی تو متخلف کو منافق کا خطاب اور کبھی اس کے گھر کو احراق کا وعید وعتاب سنایا جاتا ہے اور اسی طرح ہر ہفتہ میں ایک جامع مسجد میں ہر سال دو بار عیدگاہ میں اجتماع کا حکم صادر فرمایا علی ہذا القیاس صیام جو ہر سال میں ایک ماہ کامل مقرر ہے وہ بھی معین

ایسا نہیں کہ تیس روزے سال بھر میں پورے کر دیئے جاویں کیونکہ اس میں بھی انفرادی صورت بن جاتی ہے۔ جو قلب الموضوع ہے بلکہ ایک ہی تاریخ سے شروع ہو کر ایک ہی تاریخ پر ختم ہوتے ہیں۔ جس سے ہیئت اجتماعیہ کا پورا تحقق ہوتا ہے اسی طرح ہر سال عرفات میں ایک دفعہ اجتماع ہوتا ہے۔ خواہ کوئی نزدیک کا رہنے والا ہو یا دور سے آنے والا۔ سب کو ایک ہی مقررہ تاریخ پر مناسک ادا کرنے چاہیں۔ ایسا ہی زکوٰۃ کا حکم ہے آیت شریفہ خذ مین اموالھم صدقة بالصراحت خاص اس بات پر دال ہے کہ امام الوقت اہل الاموال سے صدقات لے کر اپنے بیت المال میں داخل کر لے اور آیہ مبارکہ انما الصدقات للفقراء والمساکین الایۃ نے اس امر کی ہدایت کی کہ امام اس مال مجتمعہ کو انہیں مصارف پر صرف کرے یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اہل الاموال خود بخود جہاں جی چاہے صرف کر دیں ورنہ رسول اللہ ﷺ ایسی تکالیف کا سامنا نہ فرماتے کہ محصلین زکوٰۃ کو منتخب کرنا اور پھر ان سے محاسبہ لینا اور اس مال کی حفاظت کرنی اور اس کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچانا۔ اور اگر کوئی چور یا ڈاکو اس مال پر حملہ کرے تو اس کو سلمہ بن اکوع وغیرہ کے ذریعہ روکنا اور پھر ان چوروں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنا اور ان کو تپتی دھوپ میں ڈال دینا یہاں تک کہ پانی پانی کرتے مر جاویں اور پھر اس مال

کو مستحقین میں تقسیم کر دینا وغیرہ وغیرہ بلکہ صرف یہ فرمایا دینا کافی تھا کہ مسلمانوں تم اپنے مال کی زکوٰۃ مساکین کو دیدیا کرو تو اس تقریر سے صاف ثابت ہوا کہ بیت المال کا ہونا اسلام میں از حد ضروری ہے اور نیز صدقات کے اخذ کا حق صرف امام ہی کو ہے ۔ارباب الاموال خود بخود اس ادائیگی کے بدون وساطت امام کے متولی نہیں ہیں ۔واللہ تعالیٰ اعلم

محصل کے تقرر کی صورت

یہاں ایک سوال پیدا ہوا تا ہے کہ ہمارے ملک میں نہ بادشاد اسلام ہے اور نہ کوئی محصل پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیا صورت ہے ۔اس کا جواب یہ ہے کہ محصل چونکہ نائب امام ہے اس لئے وہ بھی امام کے حکم میں ہوگا اور اس کے تقرر کی تین صورتیں ہیں ۔نص شارع، امام سابق کا انتخاب، اہل حل وعقد کا تقرر، جیسا کہ شرح مواقف میں مذکور ہے جب پہلی دوصورتیں مفقود ہیں تو تیسری صورت یعنی اہل اسلام کا اجتماع واتفاق کافی ہے تو جس طرح باقی امور اسلامیہ میں جو بادشاہ اسلام پر موقوف ہیں اور بوجہ نہ ہونے بادشاہ کے اہل اسلام اپنی طرف سے نائب یا متولی مقرر کر کے سرانجام کرر ہے ہیں مثلاً قاضی جو منجانب بادشاہ اسلام مقرر ہو جمعہ وعیدین وانفصال احکام اس سے وابستہ ہیں اہل اسلام جمع ہو کر ایک شخص کو قاضی بنا سکتے ہیں جس کے ہاتھ میں ان تمام امور کا

انصرام ہوتا ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے القاضی قاض تبراض المسلمین اسی طرح اہل اسلام ہرایک شہر یا علاقہ میں ایک ایک امین ومتدین شخص کوزکوٰۃ وعشر کی وصولی کے واسطے منتخب کرسکتے ہیں جوتمام علاقہ میں گشت کرکے تمام ارباب الاموال سے عشر وزکوٰۃ وصول کرکے یکجا جمع کرے۔ جن کا نام بیت المال ہو اور پھر وہاں سے حسب ضرورت شرعیہ مصارف پورے کئے جاویں اور محصل چونکہ مقدمہ اور موقوف علیہ اور مبادی زکوٰۃ کا ہے اور زکوٰۃ منجملہ فرائض اسلامیہ کے ہے۔ لہذا اس کا انتخاب بھی موکدترین فرض ہے جیسا کہ اشباہ ولنظائر میں ہے للمبادی حکم المقاصد ومقدمۃ الواجب واجب مسلمانان ہندکو اس ضروری معاملہ میں سستی ہرگزنہیں کرنی چاہیے بلکہ اتفاق واجماع کرکے اس امر کا فی الفور تدارک کریں تاکہ فریضہ الٰہی سے سبکدوشی حاصل ہو اور ندامت اور ذلت سے ابدالآباد تک نجات ہو واللہ علی کل شی قدیر! اب چونکہ اس رسالہ کی اصلی موضوع بیت المال ہے اور بیت المال کا سرمایہ عشر وزکوٰۃ ہے لہذا یہاں زکوٰۃ وعشر کے مسائل کی تحقیق کماحقہ کرکے کچھ بقدرضرورت وجزئیات فقہیہ بیان کردینا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بناء علیہ پہلے مسائل زکوٰۃ کے اور پھر عشر کے ہدیۃً پیش کئے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

زکوۃ کی فرضیت:

زکوۃ موکدترین فرائض میں سے ہے اس میں تمام اہل سنت والجماعت واہل شیعہ کا اتفاق ہے پہلے سے تھوڑا سا بقدر ضرورت اہل سنت کی روایات ذکر کی جاتی ہیں پھر اہل شیعہ کی شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں کہا ہے کہ زکوۃ فریضہ محکمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تیسرے درجہ میں رکھا ہے یعنی ایمان، دوسری نماز تیسری زکوۃ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ (سورۃ توبہ:۱۱) اوراسی طرح حدیث شریف میں ہے الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا اللہ الا اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ الحدیث اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ زکوۃ فریضہ محکمہ ہے اس کا منکر کافر ہے اور اس کے تارک کو قتل کیا جاوے (محیط السرخسی)

اور اشباہ والنظائر میں ہے کہ زکوۃ کے تارک کو قید کیا جاوے یہاں تک کہ زکوۃ ادا کرے اور درالمختار میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوۃ بالاتفاق واجب نہیں اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ جب مال پر سال گزر جاوے تو زکوۃ فی الفور فرض ہوجاتی ہے اب اگر بلا عذر تاخیر کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اور اہل شیعہ کی کافی کلینی فروع کی جلد اول ص 289 میں ہے کہ ایک دن سید الکونین ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ پانچ آدمی فلاں فلاں

مسجد سے نکل جاویں کیونکہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے زکوٰۃ کے مال سے ایک قیراط بھی رکھ لیا اور اس کو ادا نہ کیا تو وہ نہ مومن ہے نہ مسلم اور نیز انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جاوے وہ ملعون ہے۔

شرائط زکوٰۃ:

شرط ادائے زکوٰۃ کی نیت زکوٰۃ ہے جو ادا کیساتھ مقارن ہو یا بوقت علیحدہ کرنے مقدار زکوٰۃ کے ہو مسئلہ اگر بوقت ادائیگی نیت زکوٰۃ نہ ہو اور نہ بوقت علیحدہ کرنے کے نیت زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ نہ ہوگی (مبسوط)

مسئلہ: اگر زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لی اور اسی وقت مال علیحدہ نہ کیا پھر وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا سال بھر تک خیرات دیتا رہا لیکن اس وقت نیت زکوٰۃ کی نہیں تھی تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔کذافی التبین (عالمگیری)

مسئلہ: اگر فقیر کو مال بغیر نیت زکوٰۃ کے دیدیا بعدہ زکوٰۃ کی نیت کر لی اگر فقیر کے پاس موجود ہے تو زکوٰۃ ہو جائیگی۔اور اگر خرچ کر دیا تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔

(معراج الدرایہ، زاہدی، بحر الرائق، عینی شرح ہدایہ عالمگیری)

مسئلہ: اگر صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ وعشر وغیرہ ادا کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ اعلان واظہار کرے اور اگر صدقہ نفلیہ ادا کرنا چاہے تو اس میں اخفاء بہتر

ہے۔(قاضی خان، عالمگیریہ)

اور شرائط وجوب زکوٰۃ کے دس ہیں۔(۱) حریۃً یعنی آزاد ہونا غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں اگرچہ ماذون فی التجارت ہو(عالمگیری)(۲) اسلام، کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں (بدائع عالمگیری)

مسئلہ: جیسا کہ اسلام وجوب زکوٰۃ کے واسطے شرط ہے ویسا ہی بقائے زکوٰۃ کے واسطے بھی شرط ہے۔ ہمارے نزدیک پس اگر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد مرتد ہوگیا معاذ اللہ تو زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی اور اگر بہت سال اس ارتداپر رہا تو ان سالوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی (معراج الدرایہ عالمگیری)

مسئلہ: صیرفی نے کہا کہ اگر دارالحرب میں کافر مسلمان ہوا اور وہاں بہت سال رہائش کی پھر ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گیا۔ تو جتنے سال اس نے دار الحرب میں گزارے ہیں ان کی زکوٰۃ امام وصول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس وقت یہ اس کی حمایت وولایت میں نہیں تھا۔ ہاں اگر وہ زکوٰۃ کے وجوب کو جانتا تھا تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب اور اگر وجوب زکوٰۃ کا اس کو علم بھی نہیں تھا تو زکوٰۃ کی ادائی اس پر واجب ہی نہ تھی۔ بخلاف اس کافر کے کہ دارالاسلام میں مسلمان ہوا اس پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وجوب زکوٰۃ کا اس کو علم ہو یا نہ ہو۔

(کذافی السراج الوہاج عالمگیری)

(۳) عقل مجنون پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے بشرطیکہ اس کا جنون سال تمام تک ممتد ہو۔ مسئلہ اگر سال کے اندر کسی وقت میں اسکا جنون چلا گیا اور ہوش میں آ گیا خواہ اول سال میں یا آخر سال میں اور خواہ یہ ہوش کا وقت تھوڑا ہو یا بہت تو زکوٰۃ اس پر واجب ہو جاویگی۔ بشرطیکہ نصاب کا مالک ہو (کذافی العینی شرح للھدایہ وھو ظاھر الروایتہ ھکذا فی الکافی عالمگیری)

(۴) بلوغ، نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں (عالمگیری) مسئلہ جب نابالغ مالک نصاب ہو تو اسکا حساب وقت بلوغ سے شروع کیا جاوے (ھکذا فی التبین عالمگیری)

(۵) نصاب: جو نصاب جس مال کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (عینی شرح کنزالدائق عالمگیری)

(۶) ملک تام یعنی ملکیت و قبضہ دونوں چیزیں موجود ہوں۔ تب زکوٰۃ لازم ہوتی ہے۔ مسئلہ اگر کوئی شخص نصاب کا مالک تو ہے مگر اب تک اس کا اس مال پر قبضہ نہیں ہوا۔ جیسا کہ عورت کا مہر وصول کرنے سے پہلے یا قبضہ تو ہے مگر ملکیت نہیں جیسا کہ مکاتب کا مال یا مدیون کا مال ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں (کذافی السراج الوہاج عالمگیری)

مسئلہ: مسافر سفر کی حالت میں جب مال اس کے گھر میں ہے اس پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ وہ بذریعہ نائب تصرف کا مالک ہے۔ (کذافی فتاویٰ قاضی خان عالمگیری)

(۷) مال کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا مسئلہ اشیاء ذیل حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان کو نصاب میں شمار نہ کیا جاوے گا۔ خواہ قیمتی بھی ہوں۔ مکان رہائشی، پہننے کے کپڑے، اثاث البیت، سواری کا جانور، خدمت کے غلام استعمالی ہتھیار، عیال واطفال کا کھانا، وہ برتن جو زیب مکان کیلئے رکھے جاتے ہیں بشرطیکہ سونا اور چاندی کے نہ ہوں۔ جواہر، لولو یاقوت، ہیرا، زمرد، بشرطیکہ پانچوں چیزیں تجارت کیلئے نہ ہوں۔ پیسے جو خرچ کیلئے خریدے گئے ہوں (کذافی العینی شرح الھدایہ عالمگیری)

مسئلہ: اہل علم کے واسطے علم کی کتابیں بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں اور ایسے ہی پیشہ ور لوگوں کے واسطے ان کے آلات حرفت بھی کذافی السراج الوہاج۔

مسئلہ: پیشہ وروں کے آلات حرفت دو قسم ہیں۔ ایک تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر معمول پر باقی نہیں رہتا۔ مثلاً صابون استخار دھوبی کے واسطے یا تیشہ و آرہ ترکھانوں کے واسطے یا سندان وغیرہ لوہار کے واسطے یا استرہ ومقراض وناخن گیر حجاموں کے واسطے ایسے آلات میں تو زکوۃ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان آلات حرفت کا اثر معمول میں باقی

رہے۔جیسا کہ رنگ رنگسازوں کے واسطے، نیل نیل گروں کے واسطے وغیرہ وغیرہ ایسے آلات میں زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔بشرطیکہ نصاب کو پہنچ جائے اب اگر کسی شخص نے رنگ خرید کر کے رکھ دیا جو اس سے اجرت کیساتھ لوگوں کے کپڑے رنگتا رہتا ہے تو یہ رنگ حاجت اصلیہ میں داخل نہ ہوگا (کفایہ عالمگیری)

(۸) قرضہ سے فارغ ہونا مسئلہ اگر قرضہ تمام مال کو محیط ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر بعض مال کے مساوی ہے تو اس قدر مال منہا کر کے باقی کا حساب کیا جاوے گا۔اگر یہ باقی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر نہ پہنچے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر بعد وجوب زکوٰۃ کے قرضہ لاحق ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط ہوگی (عالمگیری)

(۹) مال نامی ہونا یعنی بڑھنے والا مال خواہ بذریعہ توالد تناسل کے جیسا کہ حیوانات میں ہے۔یا بذریعہ تجارت ہو جیسا کہ گھوڑے اور عبید اور باقی اسباب تجارتی اور نقود وغیرہ

مسئلہ: مال کا نامی ہونا دو قسم ہے۔حقیقی چنانچہ حیوانات میں توالد تناسل کے ذریعہ ہوتا ہے اور تقدیری یعنی اس میں قدرت نمو کی ہو۔خواہ اپنے ہاتھ میں ہو یا نائب کے ہاتھ میں اور یہ پھر دو قسم ہے۔خلقی و فعلی، ہکذا فی التبین، خلقی جیسا کہ سونا و چاندی کیونکہ ان کے وجود سے نفع نہیں لیا جاتا۔حاجت اصلیہ کے دفع

کرنے میں پس ان میں زکوٰۃ ہر حال واجب ہے۔ خواہ نیت تجارت کی ہو یا نہ ہو اگرچہ نفقہ عیال کی نیت سے ہو اور فعلی ان کے یعنی چاندی اور سونے کے ماسوا باقی جو چیزیں ہیں خواہ ان میں تجارت کے ذریعے نمو ہو یا بذریعہ تسائم ہو (عالمگیری)

(۱۰) سال کا گزرنا مسئلہ زکوٰۃ میں سال قمری کا اعتبار ہے نہ شمسی کا (کذا فی القنیہ عالمگیری)

مسئلہ: جب نصاب دونوں طرفین سال میں پورا ہو تو درمیان میں ناقص ہو جانے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی (ہدایہ، عالمگیری)

مسئلہ: اگر مال تجارت کو یا سونا چاندی کو سال کے اندر اپنی جنس یا غیر جنس سے تبادلہ کر دے تو سال رواں کا حکم بدستور رہے گا اور اگر جانور ان زکوٰتی میں سے سال کے اندر کسی دوسری چیز سے خواہ اپنی جنس ہو یا غیر جنس تبادلہ کر دیا تو سال رواں کا حکم منقطع ہو جاوے گا۔ (محیط السرخسی، عالمگیری)

مسئلہ: اگر کسی کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود اور اثنائے سال میں اسی نصاب کی جنس سے مال حاصل کر لیا۔ خواہ جس صورت سے حاصل ہو اس کو اصل نصاب کے ساتھ ضم کر کے اس سے بھی زکوٰۃ دی جاوے اور اگر غیر جنس سے ہو جیسا کہ اونٹ بکری تو اس صورت میں اس کو ضم نہ کیا جاوے۔ (جوہرہ یزہ، عالمگیری)

مسئلہ: اگر سال کے گزر جانے کے بعد میں کوئی مال حاصل کیا۔ خواہ جنس

نصاب کا ہو یا غیر جنس تو اس کو نصاب سے ضم نہ کیا جاوے بلکہ از سر نو سال شمار کیا جاوے گا (شرح طحاوی)

مسئلہ: اگر کسی نے غلہ (جس کا عشر ادا کر چکا تھا) کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو نصاب کے ساتھ ضم کیا جاوے گا اجماعاً (عالمگیری)

جانوروں کی زکوٰۃ کے کلیات:

مسئلہ: زکوٰتی جانوروں کے نر و مادہ پر یکساں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے (عالمگیری)

مسئلہ: صرف انہیں جانوروں پر زکوٰۃ لازم ہوگی جو مباح گھاس چرتے رہیں اور غرض ان سے دودھ یا نسل کی یا موٹے کرنے کی یا قیمت بڑھانے کی ہو اگر بار برداری یا سواری کے واسطے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(کذا فی محیط السرخسی، عالمگیری)

مسئلہ: اگر گوشت کھانے کیلئے چرائے جائیں تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے (عالمگیری) اگر بہ نیت تجارت چرائے جائیں تو ان میں زکوٰۃ تجارت کی ہوگی نہ سوائم کی (بدائع، عالمگیری)

مسئلہ: اگر بعض سال میں چرتے ہیں اور بعض میں گھاس کھاتے ہیں تو اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں (۱) نصف سال چرنا اور نصف سال گھاس کھانا (۲) نصف سال سے زیادہ میں گھاس کھانا اور نصف سے کم میں چرنا

(۳) نصف سے زیادہ میں چرنا اور نصف سے کم میں گھاس کھانا، ان میں صرف اخیر صورت میں زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (تبیین، عالمگیری)

مسئلہ: جو جانور سواری کے واسطے یا بیل زمین کے آباد کرنے کے واسطے یا دیگر کام کے واسطے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں (عالمگیری، درالمختار، شامی)

اونٹوں کی زکوٰۃ:

مسئلہ: پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں (ہدایہ)

5 تا 9، اونٹوں میں ایک بکری، 10 تا 14 میں 2 بکریاں، 15 تا 19 میں 3 بکریاں، 20 تا 24 میں 4 بکریاں، 25 تا 35 میں بنت مخاض (اس شتر کا نام ہے جو ایک سال گذار کر دوسرے میں قدم رکھے)، 36 تا 45 میں بنت لبون (وہ ہے جو دو سال گزار کر تیسرے سال میں قدم رکھے) 46 تا 60 میں حِقہ (جو تین سال گزار کر چوتھے سال میں قدم رکھے) 3، 61 تا 75 میں جذعہ (جو۴ سال گذار کر پانچویں سال میں قدم رکھے) 4۔ 76 تا 90 میں 2 بنت لبون، 91 تا 120 میں 2 حقہ پھر از سرنو حساب کیا جاویگا۔ ہر پانچ میں بکری معہ دو حقہ کے اس طرح 125 تا 129 ایک بکری 2 حقہ، 130 تا 134 میں 2 بکری، 2 حقہ۔ 135 تا 139 میں 3 بکری 2 حقہ، 140 تا 144 میں 4 بکری 2 حقہ 145 تا 149 میں 1 بنت مخاض 2 حقہ، 150 تا 154 میں

3 حقہ، پھر از سرنو حساب ہوگا۔ 150 کے بعد ہر پانچ میں بکری مثلاً 155 میں تا 159 میں 1 بکری 3 حقہ۔ 160 تا 164 میں 2 بکری 3 حقہ۔ 165 تا 169 میں تین بکری تین حقہ، 170 تا 174 میں 4 بکری 3 حقہ 175 تا 185 میں ایک بنت مخاض 3 حقہ، 186 تا 195 میں ایک بنت لبون 3 حقہ 196 تا 200 میں 4 حقہ پھر از سرنو حساب شروع ہوگا۔ 200 کے بعد 200 میں اگر 4 حقہ دیئے یا 5 بنت لبون پھر از نو حساب شروع کیا جاوے جیسا کہ 150 کے بعد کیا گیا تھا (عالمگیری)

اورشتر نرکوان کی زکوٰۃ میں نہ لیا جاوے بخلاف گائے اور بکریوں کے کہ ان میں مالک کو اختیار ہے خواہ نردے یا مادہ (درالمختار شامی غایۃ الاوطار)

گائے اور بھینس کی زکوٰۃ:

مسئلہ: گائے اور بھینس ان کے نر اور مادہ تمام کا مال یکساں ہے۔

مسئلہ: تین سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ مسئلہ، 30 تا 39 میں ایک تبیعہ (اس بچھڑے کا نام ہے جو ایک سال گزار کر دوسرے میں قدم رکھے نر ہو یا مادہ) نر یا مادہ اور 40 میں ایک مسن (اس بچھڑے کا نام ہے جو دو سال گذار کر تیسرے سال میں قدم رکھے) تر مادہ اور چالیس سے اوپر 60 تک جس قدر ہوں انکا چالیسواں حصہ لیا جاویگا۔ 60 میں 2 تبیعی نر یا مادہ 70 میں ایک بتیعہ ایک نر

میں 80 میں 2 مستن اور 90 میں 3 تبیع اور 100 میں ایک لسن دو تبیع غرض کہ اربعینات اور ثلاثینیات کا اعتبار کیا جاویگا۔ ہر اربعین میں مسنہ اور ہر ثلثین میں تبیعہ مگر اس صورت میں کہ دونوں یعنی 40 اور 30 متداخل ہوں جیسا کہ 120 میں کہ مالک مختار ہے کہ خواہ 4 تبیع دیوے خواہ 3 مسنے وعلی ہذا القیاس 240 میں 8 تبیعے۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ:

مسئلہ: بھیڑ اور بکری کا ایک ہی حساب ہے اور ایک ہی نصاب، مسئلہ 40 سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ 40 میں تا 120 تک ایک بکری نر یا مادہ 121 تا 300 میں 2 بکریاں۔ 301 تا 399 تک میں 3 بکریاں 400 تا 499 میں 4 بکریاں 500 تا 599 میں 5 بکریاں۔ علی ہذا القیاس ہر سو میں ایک ایک بکری تا نہایت تک اور ایک نصاب سے دوسرے نصاب تک جو عدد درمیان میں ہے وہ سب معاف ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ:

مسئلہ: سونے کا نصاب 20 مثقال ساڑھے سات تولہ، وزن دہلی اور چاندی کا نصاب 200 درہم یعنی ایک سو چالیس مثقال 52-1/2 تولہ جس کے 54-3/4 روپے بحساب فی روپیہ 11-1/2 ماشہ اور 56 روپے بحساب

11-1/4 ماشہ اور 54-1/6 روپے بحساب 11-1/2 ماشہ رتی زیادہ یعنی 12 ماشہ 3 رتی م وزن چہرہ شاہی روپے کا ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کے حساب میں معتبر وزن سونے چاندی کا ہے باعتبار ادا اور وجوب کے نہ قیمت ان دونوں کی مثلاً اگر برتن چاندی کا سو درم کے وزن کا کسی شخص کے پاس ہو اور خوبی ساخت کے اعتبار سے اس کی قیمت دو سو روپے کی ہو تو اس زکوٰۃ نہ ہوگی جب تک اس کا وزن دو سو درہم کا نہ ہو۔

مسئلہ: چالیسواں حصہ لازم ہے، اس مال میں سے جو سونے چاندی کا سکہ ہو جیسے درم و دینار روپیہ اشرفی یا ان سے کوئی چیز بنی ہوئی ہو جیسے برتن یا تلوار کی کوٹھی یا لگام یا سونے یا چاندی کی ڈالی ہو یا زیور بنایا گیا ہو۔ ہر حال میں خواہ اس کا استعمال شرعاً مباح ہو یا نہ ہو اگر چہ آرائش کیلئے یا نفقہ کیلئے رکھا ہو اس لئے کہ سونا چاندی بحسب خلقۃ ثمنیت کیلئے موضوع ہیں تو ان پر زکوٰۃ ہر حال میں لازم ہوگی۔

مسئلہ: اسباب تجارت میں زکوٰۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب اس کی قیمت روپے یا اشرفی سے کی جاوے اور نصاب کو پہنچ جاوے

مسئلہ: سونا یا چاندی اگر کسی سونے کیساتھ مخلوط ہوں اور ملونے پر سونا یا چاندی غالب ہو تو اسکا حکم سونے چاندی کا ہے اس پر زکوٰۃ سونے چاندی کی ہوگی

مسئلہ: اگر ملونا سونے یا چاندی پر غالب ہوتو اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ مثل دیگر اسباب تجارت کے بشرطیکہ نیت تجارت" ہواور نصاب کو اس کی قیمت پہنچ جاوے تو زکوٰۃ لازم ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: اگر مخلوط میں اس قدر چاندی یا سونا ہوسکتا ہے کہ نصاب کی مقدار کو پہنچے یا سونا چاندی اگر نصاب سے کم ہیں لیکن جس قدر نصاب میں کمی ہے اس کے پورا کونے کو اس کے پاس کوئی تجارت کی چیز یا نقد میں سے موجود ہے یا یہ کہ غالب الغش ثمن مروج ہوں اور قیمت میں اس ادنیٰ نقد کے برابر ہوں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ورنہ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر ملونا اور سونا یا ملونا اور چاندی برابر ہوں تو اس میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ احتیاطاً زکوٰۃ لازم ہے کذافی الخانیۃ اس وجہ سے اس کی بیع بغیر زن کے اپنی جنس کے ساتھ جائز نہیں تا کہ ربا لازم نہ آوے۔

مسئلہ: اگر سونا اور چاندی آپس میں مخلوط ہیں اگر سونا غالب ہوتو تمام کو سونے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ قیمتی جنس ہے اور اگر سونا غالب نہیں تو اگر چاندی اپنے نصاب کو پہنچ جائے تو چاندی کی زکوٰۃ ہوگی اور اگر سونا نصاب کو پہنچ جائے تو سونے کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی ادائی میں اسباب تجارت کی قیمت نقدین کیساتھ ملائی

جاوے۔اس لئے کہ سب مال تجارت کا ہے۔نقدین تو بحسب اصل وضع کے اور اسباب تجارت تاجر کی نیت کرنے سے۔

مسئلہ: سونے کو چاندی کے ساتھ لایا جائے یا چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار قیمت کے کیونکہ دونوں میں ثمنیت پائی جاتی ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ملائے جائیں اجزاء کے اعتبار سے مثلاً مزکی کے پاس سو درہم اور دس دینار موجود ہیں۔ دیناروں کی قیمت ایک سو چالیس درہم ہیں۔امام صاحب کے نزدیک چھ درہم زکوٰۃ دینی پڑیگی اور صاحبین کے نزدیک پانچ درہم

مسئلہ: اگر نصاب دو شخصوں میں مشترک ہے خواہ سوائم کا ہو یا مال تجارت کا تو ہمارے نزدیک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر ایک حصہ دار کو اپنا حصہ اس قدر ملتا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو جس فریق کا حصہ نصاب کو پہنچے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔نہ دوسرے پر

مسئلہ: جاننا چاہیے کہ امام صاحب کے نزدیک دیون تین قسم ہیں (۱) قومی جیسا کہ کسی کو قرض دیا ہو یا مال تجارت کا بدلہ (۲) متوسط جیسا کہ مویشیوں کی قیمت یا غلام خدمتی کی قیمت یا ان چیزوں کی قیمت جو حوائج اصلیہ میں مشغول ہیں جیسے کھانا املاک وغیرہ (۳) ضعیف اس کو کہتے ہیں جو بدل مال کا نہ ہو جیسا مہر اور دیت اور بدل کتابت اور بدل خلع ،زکوٰۃ جملہ اقسام دیون پر فرض ہے۔

الاادائی فی الفور فرض نہیں بلکہ دین قومی میں تو صرف اس وقت لازم ہوگی جب چالیس درہم اس کو پہنچ گئے تو ایک درہم ادا کردے۔ بعدہ پھر جب اور چالیس آ گئے تو اس میں سے بھی ایک درہم دے دے۔ علی ہذا القیاس اس میں سال کا اعتبار شروع قرضہ دینے سے کیا جاوے گا نہ قبضہ سے اور دین متوسط میں جب دوسو درہم وصول کر لئے اس وقت اس کی زکوٰۃ ادا کردے قبل اس کے نہیں اس میں بھی سال کا حساب پہلے سے کیا جاوے گا نہ وصولی سے اور دین ضعیف میں دوسو درہم جب وصول ہو جاویں تو یہاں سے سال کا حساب کیا جاویگا جب وصولی کے بعد سال گزر جاوے اور نصاب بھی پورا ہو تب ادا کرنا زکوٰۃ کا واجب ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ شخص پہلے صاحب نصاب تھا دین ضعیف کو اس نصاب کے ساتھ ملا کر فی الفور زکوٰۃ ادا کرے۔

مسئلہ: اگر قرض خواہ نے مدیون کو قرض معاف کر دیا بعد گزرنے سال کے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاوے گی خواہ دین قومی ہو یا نہ

(الکل من درالمختار ودرالمختار وغایة الاوطار وعالمگیری)

مسئلہ: پیسہ میں کوئی زکوٰۃ نہیں جب تجارت کیلئے نہ ہو اور اگر تجارت کیلئے ہوں تو اگر دوسو کو پہنچ جاویں تو زکوٰۃ واجب ہوگی (کذا فی المحیط عالمگیری)

عشر کی فرضیت:

علامہ شامی ردالمختار حاشیہ درالمختار میں لکھتے ہیں کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عشر کی فرضیت قرآن شریف اور حدیث شریف اور اجماع امت اور قیاس مجتہد کیساتھ ثابت ہے وہ میوں اور کھیتوں کی زکوۃ ہے اور زمین غیر خراجی میں واجب ہوتی ہے بلکہ اس زمین میں بھی جو نہ عشری ہو نہ خراجی جیسا کہ جنگل اور پہاڑ کی زمین ہے اور سبب وجوب عشر کا زمین پیداوار دہندہ ہے اور لڑکے اور مجنون اور مکاتب کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔ کیونکہ یہ حق الارض ہے اور وجوب عشر میں زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے یعنی جو شخص کسی زمین کی پیداوار کا مالک ہو خواہ زمین کا مالک ہو یا نہ ہو اس پر عشر واجب ہوتا ہے پس عشر واجب ہوگا زمین میں واسطے عموم فرمان رب العالمین کے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (البقرہ:۲۶۷) اور قول باری تعالیٰ کے وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام:۱۴۱) اور فرمان خاتم النبین کے ماسقت اسماء ففیه العشر وماسقی بغرب اودالیته ففیه نصف العشر دوسرا اس واسطے کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے زمین میں نہیں ہوتا، تو مالکی اور عدم مالکی زمین اس میں برابر ہوگی۔ کمافی البدائع انتہی (ترجمہ جلد۳ ص۱۶۳)

عشری زمین:

جاننا چاہیے کہ اراضی عشری کئی حصوں میں منقسم ہے (۱) زمین عربستان کی علامہ شامی نے مختصر تقویم البلدان سے نقل کیا ہے کہ جزیرہ عرب کے پانچ ٹکڑے ہیں (۱) تہامہ (۲) نجد (۳) حجاز (۴) عروض (۵) یمن

تہامہ سمت جنوبی ہے حجاز سے نجد مابین حجاز و عراق کے اور حجاز ایک پہاڑ ہے جو یمن سے لیکر شام تک جاتا ہے۔ مدینہ اور عمان بھی اس میں ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک اور واقدی سے نقل کیا ہے کہ حجاز مدینہ سے تبوک تک اور نجد مدینہ سے کوفہ کے راستہ اور بصرہ کے مقابل تک ہے اور حجاز مدینہ سے راستہ مکہ اور رہبط العرج تک اور سوائے اس کے تہامہ اور مابین تہامہ اور نجد کے حجاز ہے اور مقدار طولانی عدن سے عراق تک اور عرض جدہ سے شام تک ہے اور عرب شریف کے حدود اربعہ حسب تصریح اہل جغرافیہ حسب ذیل ہیں

شرق.........غرب.........شمال.............جنوب

خلیج فارس..........بحیرہ قلزم.............روم یا ترکی.......بحر ہند

عرب کی تمام اراضی عشری ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے فرمان پاک میں عموماً یہ ملک آباد رہا ہے اور کسی سے ثابت نہیں ہوا کہ اس پر خراج مقرر ہوا ہو بلکہ عشر ہی لیا جاتا رہا ہے۔ (التفصیل فی المطولات)

(۲) بصرہ کی زمین، گو قیاس تو اس زمین کے خراجی ہونے کو مقتضی تھا کیونکہ یہ حیز عراق میں ہے اور عراق کی کل اراضیات خراجی ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مگر چونکہ صحابہ کرام نے بالاتفاق اس کو عشری قرار دیا ہے لہذا اجماع صحابہ سے قیاس متروک ہوا۔ (شامی، مستخلص ہدایہ فتاویٰ قاضی خاں، عالمگیری)

(۳) وہ زمین جس کے باشندگان نے بخوشی خود اسلام قبول کر یا ہو حاجت جنگ وجدال کی نہیں ہوئی ہو حاجت جنگ وجدال کی نہیں ہوئی ہو (کنز الدقائق، درالمختار، شامی) جیسا کہ مدینہ منورہ ہے (کذا فی الشامی)

(۴) وہ زمین جس کو اہل اسلام نے بذریعہ جنگ فتح کیا ہو اور پھر اسلامی لشکر یا دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہو کیونکہ ابتداء اہل اسلام پر خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہاں اگر پہلے وہ زمین بوجہ تصرف کفار کے خراجی ہو چکی ہے پھر منتقل ہو کر اہل اسلام کے قبضہ میں آجاوے تو اس کے خراجی رہنے میں کوئی حرج نہیں (درالمختار)

(۵) وہ زمین جو پہلے اہل اسلام کے مکانات پر مصروف تھی پھر اس کو اس نے باغ یا کشت زار بنا کر پانی عشری یا خراجی یا دونوں سے آباد کیا تو اس پر عشر ہوگا (درالمختار، ردالمحتار)

(٦) زمین پہاڑ کی ہے جس پر کوئی پانی نہیں پہنچ سکتا (خانیہ) ص129

(۷) وہ زمین ہے جو مدتہا سے افتادہ اور برباد تھی، کوئی مالک اس کا معلوم نہیں اور گردونواح اس کے کل اراضیات عشری ہیں اب اس زمین افتادہ کو کوئی شخص مسلمان باجازت حکومت وقت آباد کرے خواہ پانی عشری سے سیراب کرائے یا خراجی سے امام ابویوسف کے مذہب پر وہ زمین عشری ہوگی اور امام محمد کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے اگر پانی عشری سے سیراب ہوگی تو عشری ہوگی اور خراجی پانی سے سیراب ہو تو خراجی ہوگی۔ لیکن مفتی بہ ابویوسف کا قول ہے جیسا کہ شامی جلد سویم ص 261، 267 مطبوعہ مصر میں ہے اور اس مسئلہ کی زیادہ توضیح آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اراضی علاقہ لائل پور سرگودھا عشری میں کیونکہ ان اراضیات کے گردونواح تمام اراضی عشری ہیں جو بذریعہ بارش وچاہات آباد ہیں تو یہ اراضی جو نو آباد ہیں اور جن کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے شرعاً عشری ہونگی نہ خراجی اب ان مولوی صاحبان کی سمجھ پر افسوس ہے کہ بلاتحقیق ان اراضی کو علی الاطلاق خراجی قرار دیکر عشر کے سقوط کا حکم لگا بیٹھے۔ واللہ اعلم۔

خراجی زمین:

زمین خراجی بھی کئی حصوں پر منقسم ہے (۱) زمین عراق جس کا خط طولانی حسب تصریح قاضی خاں نجوم موصل سے عبادان تک اور خط عرضی منتہائے پہاڑ

حلوان سے عذیب تک اس میں بصرہ وکوفہ وبغداد وغیرہ داخل ہیں۔الا بصرہ باجماع صحابہ مستثنیٰ ہے، کمامر

(۲) وہ زمین جس کو لشکر اسلام نے غلبہ سے فتح کیا اور لشکر اسلام میں تقسیم نہ کیا۔خواہ باشندگان سابقہ کو وہیں ٹھیرا کر قابض کیا گیا ہو یا کسی دوسرے کفار کو وہیں مقرر کر کے خراج لگا دیا ہو مگر مکہ معظّمہ اس سے مستثنیٰ ہے (شامی)

(۳) وزمین جو پہلے ہندو کا مکان تھا پھر اس نے گرا کر باغ یا کشت زار بنالیا ہو خواہ پانی عشری سے سینچے یا خراجی سے (ردالمختار)

(۴) وہ زمین جو مدتہا سے افتادہ ہے اور کوئی مالک اسکا معلوم نہیں اب اگر ہندو یا دوسرا کافر باذن حکام وقت آباد کرے خواہ پانی عشری سے سیراب کرے یا خراجی سے تو وہ زمین خراجی ہوگی۔(درالمختار)

عشری پانی:

پانی عشری بحسب تصریح فقہائے محققین چار ہیں (۱) بارش کا پانی (۲) کنویں کا پانی خواہ بڑے ڈول سے نکالا جاوے یا دولاب سے (۳) چشمہ کا پانی (۴) دریاؤں کا پانی جو کسی کی خاص ملکیت وولایت میں نہیں ہیں جیسا کہ دریائے سندھ وجہلم وچناب پنجاب میں۔

خراجی پانی:

پانی خراجی نہروں کا ہے جن کو بادشاہان کفار نے کھدوا کر واسطے سیرابی اراضیات کے تیار کرائی ہیں اور پھر اہل اسلام کے قبضہ میں بطور غلبہ آ جاوے اور ماسوا اس کے کل پانی عشری ہیں۔نہر سیحون جیحون، دجلہ،فرات کے پانی امام ابو یوسف کے نزدیک خراجی ہیں اور امام محمد کے نزدیک عشری ہیں۔(شامی جلد سوئم ص 267)

تکملہ:

جو زمین منصوص علیہا بالعشر ہے جیسا کہ اراضیات عربستان و بصرہ وہ ہمیشہ عشری رہے گی۔اور جو زمین منصوص علیہا بالخراج ہے جیسا کہ اراضی عراق وہ ہمیشہ خراجی رہے گی اور جس زمین پر کوئی نص نہیں اور نہ اس کی فتح و تقسیم کا حال معلوم ہے۔معہذا وہ قدیم سے آباد چلی آتی ہے تو اس کے پانی کا اعتبار ہوگا۔اگر پانی عشری سے سیراب ہوتی ہے تو عشری ہے اور اگر خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہے تو خراجی ہے اور اگر کبھی عشری پانی سے سیراب ہوتی ہے اور کبھی خراجی سے تو اگر صاحب زمین مسلمان ہے تو عشری ہوگی اور کافر ہے تو خراجی ہوگی (شامی) اس قاعدہ سے ہمارے پنجاب کی اراضی کا حال سمجھ لینا چاہے۔

اراضی عشریہ سے مقدار واجب الوصول:

جو زمین چاہی پانی سے سیراب کی جاوے اس کی پیداوار سے نصف

العشر یعنی بیسواں حصہ دینا واجب ہے (کنز الدقائق درالمختار قدوری عالمگیری)

مسئلہ: کتب شافعیہ میں ہے کہ اگر پانی کو خرید کر کے اس سے زمین کو سیراب کیا جائے تو اس کی پیداوار سے بھی بیسواں حصہ دینا ہوگا اور ہمارے مذہبی قواعد بھی اس کو اِبا نہیں کرتے۔ بشرطیکہ پانی کو کسی برتن یا حوض میں بند کر کے خرید کریں پھر اس سے زمین کو سیراب کریں ایسی صورت میں ہمارے مذہب پر بھی بیسواں حصہ دینا ہوگا کیونکہ اس کی مشقت چاہی پانی سے زیادہ ہے اگر ایسی صورت نہیں تو اس پانی کی بیع نزدیک حنفیہ بنا بر قول مفتیٰ بہ کے جائز نہیں ہے اور نہ اس وجہ سے بیسواں حصہ ہو۔ (شامی جلد ۲ ص ۱۲ مطبوعہ مصر)

تنبیہ:

بعض علما اراضی شہر لائل پور سرگودھا وغیرہ کے بیسواں حصہ کے قائل ہیں اور وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ سرکار نے جو آبیانہ مقرر کیا ہے وہ پانی کی قیمت ہے۔ گویا خرید شدہ پانی سے سیراب کی جاتی ہے اور خرید شدہ پانی سے نصف العشر لیا جاتا ہے جیسا کہ درالمختار میں ہے مگر جواب اس کا پہلے مذکورہ ہوا کہ خرید کرنے کی صورت میں صرف وہی ہے جو کہ حوض وغیرہ میں بند کر کے خرید کیا جاوے نہ یہ کہ نہر سے پانی لینے پر لگان مقرر کیا جاوے اور وہ اس کی قیمت سمجھی جاوے۔ فافہم وتدبر

مسئلہ: صاحب زمین اگر کافر تغلبی ہے تو اس سے پانچواں حصہ لیا جاوے گا۔ (درالمختار کنزالدقائق) ماسوائے زمین چاہی وکافر تغلبی کے دیگر کل اراضی عشر یہ پر دسواں حصہ لازم ہے۔ خواہ پانی بارش سے سیراب ہو یا دریاؤں سے یا نالوں سے (درالمختار جلد دوم ص 50)

مسئلہ: اگر کبھی پانی کنویں سے اور کبھی دریا سے سیراب کی جاوے تو غالب کا اعتبار ہے اگر دونوں مساوی ہوں تو بیسواں حصہ ہوگا اور بعض کا قول ہے کہ دسویں حصہ کا 3/4 حصہ دینا ہوگا۔ (درالمختار)

مسئلہ: زمین عشری جہاں دسواں یا بیسواں حصہ دینا ہو وہ ہی پورا ادا کرنا چاہیے اس لئے بیلوں اور مزدوروں اور کمیوں اور محافظوں کے خرچ نہ نکالے جاویں اور نہ تخم مستثنیٰ کیا جاوے اور نہ نہری کھدائی کی اجرت نکالی جاوے۔
(درالمختار شامی جلد دوم ص 53)

وہ اجناس جن میں عشر ہے یا نہیں ہے:

حضرت امام اعظم کے نزدیک جو چیز زمین عشری سے پیدا ہو خواہ قلیل ہو یا کثیر از قسم غلہ یا سبز ترکاری یا میوہ وغیرہ بشرطیکہ وہ اس زمین سے مقصود بالنماء ہوا اس میں عشر لازم ہے اور صاحبین کے نزدیک سبز ترکاریوں میں عشر نہیں بلکہ جو چیز سال تک نہ رہے۔ مثلاً خربوزہ وغیرہ اس سے عشر ساقط ہے اور نیز ان کے

نزدیک غلہ میں عشر ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ نصاب غلہ پانچ وسق یعنی تین من ہے لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ (کمافی التحفہ ودرالمختار، شامی)

مسئلہ: مشہد ااگر چہ قلیل ہو اور زمین غیر خراجی سے نکلے تو اس میں عشر لازم ہے اور اگر زمین خراجی سے نکلے تو عشر ساقط ہے (درالمختار)

مسئلہ: پہاڑ اور جنگل کے درختوں کا میوہ جب زیر حراست بادشاہ ہوں تو عشر لازم ہے ورنہ نہیں۔ (درالمختار)

مسئلہ: جو ایسی چیز ہے جس کی مالیت مقصود نہیں، نرسل، داینددین ودُخ اور معمولی بے قیمت لکڑی جیسے لئی ولانلہ، گھاس وبھوسہ اور کھجور کے پتے، گوند، خطمی اور سجی اور روئی کا درخت اور بادنجان کا درخت اور خربوہ اور تربوز کے تخم اور دوائیں مثل میتھی، اور شونیز اور اسپغول وغیرہ ان میں ہرگز عشر نہیں ہے کیونکہ ان میں مالیت مقصود نہیں ہوتی ہاں اگر ان سے مالیت مقصود ہو جیسا کہ آج کل کے زمینداران اپنی اراضی میں نرسل وغیرہ بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں اور بالکل کسی کو کاٹنے نہیں دیتے بلکہ خود کاٹ کر جمع کر کے گران قیمت پر فروخت کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ ان کے نزدیک اس زمین کی پیداوار شمار کی جاتی ہے تو اس صورت یں اس پر عشر ہوگا (خانیہ ودرالمختار) لیکن بھوسہ وغیرہ پھر بھی مستثنیٰ ہیں۔

مسئلہ: گھاس اگر کسی زمین میں ایسی حالت میں ہے کہ وہ مقصودی پیداوار

اس زمین کی شمار کی جاتی ہے اس میں عشر لازم ہوگا اور جو گھاس کے طبعاً کسی کھیتی میں ہو کہ اس سے پیداوار مقصود نہیں تو اسمیں عشر لازم نہ ہوگا۔

فائدہ: اس کلیہ سے معلوم ہوگیا کہ جو گھاس کسی اراضی میں کاشت کر کے چار الیا جائے جیسا کہ بھس، میتھی، مٹر جوار، گنوار وغیرہ ان میں عشر لازم ہے اور جو گھاس کسی کھیتی میں خود بخود اگ جاوے یا تخم ڈال کر طبعاً بویا جاوے لیکن قبل از تیاری فصل اسے کاٹ کر کھلایا جاوے جیسا کہ گندم میں سر شف یا روئی میں روانہہ یا موٹھ جو پیداوار شمار نہیں کی جاتی ان میں عشر نہیں اور گندم جوار وغیرہ کی سبزی جو اوپر سے کاٹی جاتی ہے جس کو حوید کہتے ہیں اور اصل اس کا بدستور رہتا ہے جس سے پھر وہ بحال ہو جاتی ہے اس سبزی میں عشر نہیں اور اگر اس طرح کاٹی جائے کہ پھر وہ بحال نہ ہو سکے اور سر تک جاری جائے تو اس میں عشر لازم ہوگا۔ کیونکہ یہی منافع مقصودہ ہیں واللہ اعلم

مسئلہ: بھوسہ اگر دانہ سے اتارا جاوے تو اس یں عشر نہیں کیونکہ پیداوار مقصود دانہ ہیں بھوسہ نہیں اور اگر گندم خام کاٹ کر اس کا بھوسہ بنایا تو اس میں عشر ہوگا۔ (شامی جلد دوم ص 51)

مسئلہ: کپاس اور باذنجان کے درخت میں عشر نہیں بلکہ ان کے پھل میں ہوگا۔ (شامی)

مسئلہ: تمام اجناس ترکاریوں میں اماا عظم کے نزدیک عشر لازم ہے جیسا کہ خربوزا، تربوز لہسن، خیارین، دھنیا، توری، کدو، کریلہ، کیلہ وغیرہ

مسئلہ: پہاڑ اور جنگلوں کے درخت اگر میوہ دار ہیں اور ان سے مالیت حاصل کی جاوے خواہ مملوک ہوں یا نہ خواہ ان کی حفاظت اور نگرانی کی جاوے یا نہ اور لوگوں کو ان کے کھانے سے منع کیا جائے اور زیر حراست بادشاہ کے ہوں، عشر واجب ہے ورنہ نہیں (درالمختار شامی خانیہ)

مسئلہ: جو زمین مکانات میں رکی ہوئی ہو اس کا عشر وخراج معاف ہے۔ الاصحن مکان جو کہ لائق آبادی ہو اگر خراجی ہے تو خراج لازم ہو گا خواہ کاشت کرے یا نہ اور اگر عشری ہے تو اگر کاشت کرے تو عشر لازم ہوگا۔ ورنہ نہیں (درالمختار)

مسئلہ: جو درخت میوہ دار کسی کے دار میں ہو اگر وہ زمین ان درختوں کی رکاوٹ میں اس حالت میں ہے کہ یہ درخت اس زمین کی پیداوار سمجھی جاتی ہے تو صحن کے حکم میں ہو گا اور عشر لازم ہے اور اگر زمین صرف مکانات کی رکاوٹ میں ہے اور درخت صرف تبعاً وہاں موجود ہیں تو یہ درخت معاف ہیں (شامی قہستانی)

مسئلہ: جو چیز پہاڑ سے نکالی جاتی ہے اگر وہ آگ سے گل جانے والی ہے جیسا کہ لوہا، سونا چاندی وغیرہ تو اس میں خمس ہے اور اگر نہیں پگھلتی جیسے ہڑتال سرمہ وغیرہ تو اس میں کوئی چیز نہیں (خانیہ)

مسئلہ: جو چیز دریا سے نکلتی ہے جیسے عنبر لولو مچھلی صدف وغیرہ اس میں کوئی عشر نہیں (خانیہ)

لزوم عشر کے وقت کے بیان میں:

مسئلہ: میوہ اور کھیتی کے عشر لازم ہونے کے وقت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظمؒ اور امام زفر کے نزدیک جب میوہ دار کھیتی میں دانہ محکم ہو جاوے اور فساد کا خوف نہ رہے اگرچہ کاٹنے کے حد کو نہ پہنچے تب عشر لازم ہوتا ہے قبل ازیں اگر کھایا یا کھلایا تو ضامن نہ ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب کاٹنے کے لائق ہو جاوے تب عشر لازم ہوتا ہے اور امام محمد کے نزدیک جب تک کاٹ کر ایک جگہ جمع نہ کیا جاوے تو عشر لازم نہیں ہوتا (شامی ص۵۲)

مسئلہ: اگر بعد لزوم عشر کے بلا اختیار صاحب زمین کے قدرے غلہ تلف ہو گیا۔ یا چور لے گئے اس تلف شدہ کا عشر ساقط ہو جاوے گا اور باقی موجودہ کا عشر ادا کرے۔ (شامی)

مسئلہ: جب تک زمین عشری یا خراجی کی پیداوار سے عشر یا خراج ادا نہ کیا جاوے یا قدر ما وجب علیحدہ نہ کیا جاوے تو اس پیداوار سے کھانا حرام ہے (درالمختار)

مسئلہ: جب کوئی شخص بعد لزوم عشر و خراج کے مر جاوے تو اس کے ترکہ سے

وصول کی جاوے یہی ظاہر الروایت ہے (درالمختار)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے باوجود طاقت کے زمین کو مہمل چھوڑ دیا تو خراج لازم ہوگا اور عشر لازم نہ ہوگا (درالمختار)

مسئلہ: اگر زمین عشری یا خراجی کا بوجہ آفت سماوی کے جس کا تدافع ممکن نہیں مثلاً کثیر پانی سے فصل غرق ہوجاوے یا بندش پانی کی وجہ سے فصل خشک ہوجاوے یا آگ سے جل جاوے یا ملخ کھا جاوے یا شدت گرمی یا سردی سے فصل تلف و نابود ہوجاوے تو عشر و خراج ساقط ہوجاتے ہیں ہاں اگر تین ماہ کے اندر ایسی زمین سے کوئی دوسرا فصل اٹھا سکے تو خراج موظف ساقط نہیں ہوتا اور آفت غیر سماوی جس کا تدافع ممکن تھا اور نہیں کیا مثلاً جانوروں کا کھاجانا تو خراج موظف بحال رہے گا اور عشر و خراج مقاسمہ البتہ جاتے رہیں گے

(درالمختار جلد سوم ص ۲۷۱)

مسئلہ: ایک سال میں اگر کسی زمین سے دوبار یا زیادہ فصل برداشت کیا جاوے تو عشر و خراج مقاسمہ ہر نوبت لازم ہوں گے بخلاف خراج موظف کے کہ سال میں ایک ہی نوبت لازم ہوتا ہے (شامی)

مسئلہ: اگر بادشاہ نے خراج کسی شخص کا بوجہ سفارش وغیرہ کے چھوڑ دیا ہے یا ہبہ کر دیا ہے تو جائز ہے الا اگر یہ شخص خود مصرف خراج کا ہے مثلاً مفتی یا مجاہد

یا معلم یا متعلم یا ذاکر یا واعظ ہے تو خود کھائے اور اگر مصرف نہیں تو صدقہ دینا اولیٰ ہے اور اگر بادشاہ نے کسی کو عشر معاف کر دیا تو ہر گز جائز نہیں ایسی صورت میں وہ شخص خود مساکین میں تقسیم کر دیوے (درالمختار)

اراضی مستاجر و مستعارہ و مستزرعہ و مغصوو بہ و مرہونہ کا عشر:

فائدہ: جاننا چاہیے کہ جو زمین بطور ٹھیکہ کسی کو دی جائے یعنی اصل زمین مالک کے ملک میں رہے اور منافع اس کے فروخت کر دیئے جائیں تو اس عقد کو عربی میں اجارہ کہتے ہیں اور اس زمین کو مستاجرہ اور مالک کو موجر اور ٹھیکیدار کو مستاجر کہتے ہیں۔

مسئلہ: زمین عشری جب اجارہ پر دیجاوے تو امام صاحب کے نزدیک عشر موجر ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مستاجر اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(درالمختار شامی)

مسئلہ: زمین خراجی اگر اجارہ پر دیجاوے اگر خراج مقاسمہ ہے تو اس کا حال مثل عشر کے ہے جو ابھی مذکورہ ہوا اور اگر خراج موظف ہے تو بالاتفاق موجر پر ہوگا۔ (درالمختار شامی)

فائدہ: جب کوئی شخص اپنی زمین وغیرہ کے مصرف منافع کسی دوسرے شخص کو مفت بلا قیمت دیدیوے اور ملک اپنا قائم رکھے تو اس عقد کا نام عاریت ہے مالک

کو معیر اور لینے والے کو مستعیر اور زمین کو مستعار کہتے ہیں

مسئلہ: زمین مستعارہ میں اگر مستعیر مسلمان ہے تو عشر امام زفر کے نزدیک معیر پر ہوگا۔ اور باقی آئمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم وابو یوسف ومحمد رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک مستعیر پر ہوگا اور اگر مستعیر ہندو ہے تو بروایت درالبحار کے عشر بالاتفاق معیر پر ہوگا اور بروایت بدائع صاحبین کے نزدیک عشر معیر پر ہوگا اور امام صاحب سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں معیر پر اور دوسری میں مستعیر پر۔

(شامی جلد دوئم ص ۵۷)

مسئلہ: زمین مستعارہ اگر خراجی ہے تو بصورت خراج مقاسمہ اس کا حال مثل عشر کے ہے جو مذکورہ ہوا اور خراج موظف میں خراج بلاتفاق معیر پر ہوگا۔ (کذا فی الشامی عن الذخیرہ والبدائع جلد۲ ص ۵۰)

مسئلہ: زمین متاجرہ اور مستعارہ کا بیان جو گزرا ہے وہ اس وقت تک ہے کہ زمین قابل زراعت کے رہے اگر اس زمین پر متاجر یا مستعیر نے اس قدر درخت لگائے ہیں کہ قابل کاشت نہیں رہی تو خراج موظف بھی طرفین کے نزدیک متاجر اور مستعیر پر ہوگا (شامی)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے دوسرے سے اس کی زمین کو غصب کر کے کاشت کر لیا ہے اب اگر وہ زمین عشری ہے یا خراجی بالمقاسمہ اور اس زمین کو کاشتکاری نے

ناقص نہیں کیا ہے تو عشر اور خراج غاصب پر ہونگے اور اگر اس کاشتکاری سے وہ زمین ناقص ہوگئی تو عشر اور خراج مالک پر ہونگے امام صاحب کے نزدیک۔

(خانیہ جلد اول شامی جلد دوم ص ۵٦)

مسئلہ: اگر زمین خراجی بالموظف کو کسی نے غصب کرلیا اگر کاشت نہیں کیا تو نہ مالک پر خراج ہوگا اور نہ غاصب پر بشرطیکہ غاصب منکر اور مالک کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور اگر غاصب نے کاشت کی اور اس سے زمین کو نقصان پہنچا تو خراج غاصب پر ہوگا اور اگر غاصب مقر ہے یا منکر مگر مالک کے پاس ثبوت کافی ہیں تو خراج مالک پر ہوگا (شامی از خانیہ)

اور بعض مشائخ کے نزدیک تمام حالات میں عشر مالک پر ہوگا اور بعض کے نزدیک تمام احوال میں غاصب پر (شامی از ذخیرہ)

مسئلہ: زمین عشری کو اگر مالک نے بطور مزارعت کے کسی کے سپرد کیا اب اگر تخم مالک کی جانب سے ہے تو تمام پیداوار کا عشر بالاتفاق مالک ہی پر ہوگا اور اگر تخم مزارع کی جانب سے ہے تو عشر مزارع اور مالک پر حسب الحصص ہوگا۔ بنا پر ذہب صاحبین اور امام صاحب کے مذہب میں عشر ہر حال مالک ہی پر ہوگا لیکن اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور اگر زمین خراجی ہے تو خراج صرف مالک پر ہوگا۔ (شامی)

مسئلہ: زمین مبیعہ بیع بالوفا اگر خراجی ہے تو جب تک وہ زمین بائع کے قبضہ میں ہے تو خراج بائع پر ہوگا اور اگر مشتر کہ قبضہ ہے اور کاشتکاری بھی وہی کرتا ہے تو خراج مشتری پر ہوگا اور اگر زمین عشری ہے تو جب تک زمین بائع کے قبضہ میں ہے وہی عشر ادا کریگا اور اگر مشتری نے قبضہ کر کے کاشتکاری بھی کی اب اگر اس کاشتکاری نے اس زمین کو ناقص نہیں کیا تو عشر مشتری دیگا اور اگر ناقص ہوگئی تو عشر بائع پر ہوگا جیسا کہ غصب میں مذکور ہوا۔ (شامی)

مسئلہ: زمین مرہونہ کا حال مثل مبیعہ بیع بالوفا کے ہے (شامی)

مسئلہ: اگر عشری زمین کا فصل کاشتہ بدون زمین کے فروخت کیا گیا اگر فصل خام فروخت ہوئی تو عشر مشتری پر ہوگا اور اگر پختہ تو عشر بائع پر ہوگا (درالمختار)

خراج:

خراج دو قسم کا ہے، مقاسمہ وموظف، خراج مقاسمہ وہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں حصہ مقرر کیا جاوے اور خراج موظف وہ ہے کہ مالیت صاحب زمین پر مقرر کر کے لگائی جاوے جو زمین کے منافع حاصل کرنے کے امکان کے متعلق ہو نہ یہ کہ خود زمین کے منافع کے متعلق ہو، چنانچہ امیر عمر نے سواد عراق پر فی جریب جس پر پانی پہنچ سکتا تھا ایک درم اور ایک صاع گندم یا جو اور ترکاری کی جریب پر ۵ درم اور انگور اور کھجور کی جریب پر ۱۰ درم مقرر فرمائے تھے اور سوائے

اجناس بالا کے کسی جنس میں آنجناب نے خراج مقرر نہیں کیا۔ زعفران اور باغ میں بقدر طاقت نصف پیداوار تک اجازت ہے۔ لان الانــصــاف عیــن الانـصـاف امیر عمر کے مقرر شدہ خراج سے زیادہ ہرگز نہ کیا جاوے خراج مقاسمہ ہو یا موظف اگر چہ زمین زیادہ طاقتور ہو، ہاں اگر زمین ناقص ہوگئی ہو تو خراج مقررہ سے کم کیا جا سکتا ہے، نصف پیداوار سے زیادہ نہ کیا جائے اور خمس سے کم نہ کا جائے اور جریب کا مقدار ۶۰ گز فی ۶۰ گز ہے اور گز کا مقدار ے قبضہ اور بعض کا قول ہے کہ ہر ایک ملک میں اپنا اپنا گز متعارف ہے، واللہ اعلم بالصواب (درالمختار، ردالمختار، خانیہ، ہندیہ ہدایہ وغیرہ)

اراضی سلطانی:

جاننا چاہیے کہ اراضی سلطانی ایک چند قطعہ ہائے زمین ہیں جو مصر و روم وشام وغیرہ عموماً تمام ممالک اسلامیہ میں واقعہ ہے جن کو اراضی مملکت اور حوز کہتے ہیں، ماہیت ان کی یہ ہے کہ جس زمین کے مالک بلا وارث مر جائیں اور وہ زمین داخل بیت المال ہو جاوے یا جس زمین کو بادشاہ اسلام نے فتح کیا اور کہیں تقسیم نہ کیا ہو بلکہ اسلام کے عام منافع کے واسطے قیام قیامت تک رکھی گئی ہو تو اس کا نام اراضی سلطانی ہے۔

اس اراضی کی نسبت علماء ہر چہار مذہب نے بڑا اختلاف کیا ہے بعضے

اس کواراضی وقفیہ قرار دیتے ہیں اور بعضے اراضی بیت المال تصور کرتے ہیں اور بعضے غصبی ہونے کا حکم دیتے ہیں۔

اب جن مزارعان کو وہ زمین دی جاتی ہے ان کی ملکیت میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک ان کو حق تصرف مالکانہ از قسم بیع وشرا اور رہن واجارہ واعادہ وغیرہ حاصل ہے اور بعض کے نزدیک حاصل نہیں اور اسکے عشری یا خراجی ہونے میں بھی اختلاف ہے بعضے اس کو عشری بناتے ہیں اور بعضے خراجی قرار دیتے ہیں اور بعض نہ عشری اور نہ خراجی ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق نے بالخصوص ان اراضیات کی نسبت ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام تحفتہ المرضیہ فی الارض المصریہ ہے نہایت عمدہ بسط سے ان اراضی کے حالات اس میں درج ہیں۔

لیکن جو حکم ان اراضی کا علامہ شامی نے درالمختار میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ اسلام یہ اراضی رعایا کو دوطرح پر دے سکتا ہے اول یہ کہ مزارع کو اس زمین کا مالک قرادیا جائے اور اس پر خراج مقرر کیا جائے دوم یہ کہ ملکیت بنام سرکار رہے اور زمین بطور اجارہ نقدی یا جنسی ان کو دیجاوے تو اس صورت اخیر میں مزارعان صرف اجرت زمین کی دیں گے نہ ان پر عشر ہوگا، نہ خراج اور بادشاہ اس زر موصولہ کا نام خراج رکھے گا اگر جنسی ہو تو مقاسمہ اور اگر

نقدی ہوتو موئلف ہوگا۔انتہی

لیکن چونکہ مزارعان کے نزدیک یہ اجارہ ہے اور صاحبین کے نزدیک اراضی متاجرہ پر ہوتا ہے۔لہذا ان پر عشر لازم ہوگا کما اشار الیہ فی ھذا المبحث اور بنظر دقیق حسب تحقیق اہل تحقیق یہ زمین عشری معلوم ہوتی ہے۔ علامہ شامی نے ارشاد فرمایا ہے کہ وجوب عشر میں زمین کا مالک ہو یا نہ ہو جب پیداوار کا مالک ہوگیا تو عشر واجب ہوجائیگا کیونکہ عشر پیداوار کا حق ہے حتی کہ صغیر اور مجنون اور مکاتب کی زمین اور وقفی زمین میں بھی عشر لازم ہوتا ہے اور ہر غیر خراجی زمین پر عشر لازم ہونا ہے۔جیسے پہلے مذکور ہوا۔اراضی سلطانیہ سے خراج جو حق الارض ہے ساقط ہونے سے عشر جو حق الحاصل ہے کس طرح ساقط ہوسکتا ہے۔

ایقاظ:

یہ جو بعض علماء اراضی سلطانیہ کو غیر عشری قرار دیکر ان پر اراضی نہر لائل پور وغیرہ ملک پنجاب کو قیاس کر کے ان کو بھی غیر عشری بناتے ہیں۔بنا الفاسد علی الفاسد ہے اسی واسطے کی اولاً اراضی سلطانیہ کا غیر عشری مقرر کرنا مسلک غیر مستحسن ہے کما مر عنقریب

ثانیاً بالفرض مان لیا کہ اراضی سلطانیہ غیر عشری ہیں تاہم اراضی نہر لائل

پور وغیرہ کو ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفاروق ہے کیونکہ اگر اراضی سلطانیہ میں عشر نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ زمین مملوکہ بیت المال ہے اور بیت المال نے اس سے اپنے حقوق یعنی اجرت زمین وصول کر لی ہے اور اراضی متنازعہ مملوکہ مزارعان ہیں ان پر حقوق الٰہی لازم ہیں، ادائیگی بغیر بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

اراضی نہر لائل پور وسر گودھا وغیرہ:

حقیقت ان اراضی کی یہ ہے کہ مدتہائے سے افتادہ اور جنگلی ویران رہی ہیں۔ کوئی خاص مالک ان کا معلوم نہیں۔ ہاں البتہ تھوڑے تھوڑے ٹکڑے اس جنگل میں بذریعہ آب چاہی یا بارشی آباد رہے ہیں اور اس جنگل کے چاروں طرف گردونواح کی کل اراضیات عشری آباد ہیں کیونکہ بذریعہ آب چاہی یا بارشی سیراب ہوا کرتی رہی ہیں یا سیلاب دریا سے آباد رہی ہیں اب اس جنگل کے آباد کرنے کے واسطے حکومت انگریزی نے دریائے چناب اور جہلم اور سندھ سے نہریں کھود کر جاری کرائی ہیں اور وہ اراضی رعایا اہل اسلام و ہنود میں حسب شرائط مجوزہ تقسیم کئے ہیں اور معاملہ زمینی و آبیانہ حسب ضابطہ لیا جاتا ہے۔

حکم ان اراضی کا یہ ہے کہ جس زمین کو کفار نے آباد کیا ہے وہ تو بالاتفاق خراجی ہوگی اس میں عشر ہرگز نہیں۔ درالمختار میں ہے وموات احیاہ ذمی اور رضخ له کمامر خراجی انتهى

اور شامی میں ہے لانہ ،ابتداء وضع علی الکافر وھوالیق بہ

کمامر اور جس زمین کو اہل اسلام نے آباد کیا ہے اس کے عشری یا خراجی ہونے میں اختلاف ہے۔امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ ایسی صورت میں قرب وجوار کا اعتبار ہے اور اراضی مجوشہ کی کل قرب وجوار کی اراضیات عشری ہیں جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ بناء علیہ اراضی مجوشہ عشری ہونگی نہ خراجی اور امام محمد کے نزدیک چونکہ ایسی صورت میں پانی کا اعتبار ہے یعنی اگر پانی عشری سے سیراب ہو تو عشری ہوگی اور اگر پانی خراجی سے تو خراجی ہوگی۔ بناء بران اراضی مجوشہ خراجی ہوگی، کیونکہ ان نہروں کا پانی خراجی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اسی روایت پر منکرین اعتماد کر کے اراضی مجوشہ کو خراجی قرار دیکر عشر ساقط کر بیٹھتے ہیں۔اول یہ روایت مرجوح ہے، دوسرے حکام وقت کا معاملہ دینے سے حق الٰہی ساقط کرتے ہیں یہ ان کی سراسر غفلت اور بے سمجھی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اراضی متعلقہ انہار موجودہ پنجاب بنا بر روایت امام محمد کے خراجی ہیں جیسا کہ شرح کنز الدقائق میں تصریح کی ہے عینی شرح کنز الدقائق میں ہے

قال محمدان احیاھا بالماء الانھار التی حضرھا الاعاجم فھی خراجیة کنھریز دجرااعتبار بالماء انتھی

''امام محمد نے کہا ہے کہ اگر ان زمینوں کو ان نہروں کے ذریعے آباد کیا جنکو بادشاہان کفار نے کھودا ہے تو وہ خراجی ہونگی مثل نہریز دجر کے واسطے اعتبار کرنے پانی کے۔''

اور مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

وقال محمد یعتبر بما یحیٰ حتی لومنفی بماء عشری کان عشریا ولوسقی بماء الخراج کان خراجیاً

''امام محمد نے کہا ہے کہ جس پانی کے ساتھ آباد کی گئی اسی کا اعتبار ہوگا، یہاں تک کہ اگر عشری پانی سے آباد ہوئی تو عشری ہوگی اگر خراجی سے تو خراجی ہوگی۔''

اور اس طرح عامہ کتب فقہ میں موجود ہے جیسے قدوری، ہدایہ وشرح ہدایہ، قاضی خان وغیرہ

اور بموجب قول ابو یوسف کے اراضی مذکورہ عشر ہونگی نہ خراجی کیونکہ ان کے نزدیک ایسی زمین میں قرب وجوار کا اعتبار ہے پانی کا نہیں جیسا کہ متن کنز الدقایق میں موجود ہے:

ولو احی مرات یعتبر قربہ انتھی

''اگر زمین افتادہ آباد کی جاوے تو قرب کا اعتبار ہوگا''

اور عینی شرح کنز میں ہے:

ای من احیاء ارضا مواتاً فھی معتبرۃ بحیزھا ای بقربھا فان کانت بحیز ھا ارض عشریۃ فھی عشریۃ وان کانت بحیز ارض الخراج فھی خراجیتہ الی آخر ماقال ، ثم المذکور فی مسئلہ الموات (قول ابو یوسف)

''یعنی جس نے زمین افتادہ کو آباد کیا تو اس کے قرب اعتبار ہوگا پس اگر زمین عشری کے قریب میں ہوگی تو عشری ہوگی اور اگر زمین خراجی کے قریب ہو تو خراجی ہوگی یہاں تک کہ کہا پھر مسئلہ موات یعنی افتادہ زمین کی آبادی کے بارہ میں جو متن میں مذکور ہے ابو یوسف کا قول ہے''

قول یعتبر قربہ ای قرب الموات عند ابی یوسف حتی لو کان من ترب ارض العشر کان عشریا ولو کان من قرب ارض الخراج کان خراجاً

''یعنی قرب کا اعتبار امام ابو یوسف کے نزدیک ہے یہاں تک کہ اگر زمین عشری کے قریب ہوئی تو یہ نو آباد زمین بھی عشری ہوگی اور اگر زمین خراجی کے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی۔''

اور متن قدوری میں ہے۔

ومن احیاارضاً مواتاً فهی عند ابی یوسف معتبرة بحیرها فان کانت من حیز الارض الخراج فهی خراجیة العشر فهی عشریة

''جس نے زمین افتادہ کو آباد کیا تو ابویوسف کے نزدیک اس کے قرب کا اعتبار ہے پس اگر زمین خراجی کے قریب ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی اور اگر زمین عشری کے قریب ہے تو عشری ہوگی۔''

اور متن ملتقی میں ہے:

وان احیی موات یعتبر قربه عند ابویوسف ومائه عند محمد

''اگر زمین افتادہ نو آباد کی جاوے تو امام ابویوسف کے نزدیک اس کے قرب کا اعتبار ہے اور امام محمد کے نزدیک اس کے پانی کا اعتبار ہے۔''

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

من احیی 'ارضاً مواتاً فان کانت من حیزارض الخراج فهی خراحبة وان کانت من خیزارض العشر فهی عشریة هذا اذ کان المحیی مسلماً واماذا کان ذمیاً فعلیه الخراج وان کان من حیز ارض العشر 'انتهی

زمین خراجی کے

"جس شخص نے زمین افتادہ کو آباد کیا اگر وہ زمین خراجی کے قریب ہے تو خراجی ہوگی اور اگر زمین عشری کے قریب ہے تو عشری ہوگی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب آباد کنندہ مسلمان ہو اور اگر آباد کنندہ ہندو ہو تو اس پر خراج ہوگا اگرچہ وہ زمین عشری زمین کے قریب ہی ہو۔"

روایت امام ابو یوسف بہ نسبت روایت امام محمد کے راجح اور زیادہ معتبر ہے بچند وجوہ ذیل

(۱) یہ روایت تمام متون معتبرہ عند الفقہا میں موجود ہے چنانچہ کنز الدقائق قدوری، وقایہ، ملتقیٰ، بخلاف روایت امام محمد کے کہ وہ صرف قدروی و ملتقی میں گو موجود ہے مگر وہ بھی تبعاً اور فاضل علامہ مولانا حاجی حافظ محمد عبدالحیؒ لکھنوی نے النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں کہا ہے

واعلم ان المتاخرین قد اعتمدواعلی المتون الثلثه الوقایه ومختصر القدری والکنز ومنهم من اعتمد علی الاربعة الوقایة والکنز والمختار ومجمع البحرین وقالو العبرة لما فیها عند تعارض مافیها مافی غیرها لما عرف

"جاننا چاہیے کہ علمائے متاخرین نے تین متنوں پر اعتماد کیا ہے وقایہ

ا قدروی اور کنز اور بعض نے چار متون پر اعتماد کیا ہے وقایہ، کنز، مختار، مجمع البحرین اور کہا کہ جب ان میں اور دوسری کتابوں میں تعارض ہو تو فتویٰ انہیں پر ہے کیونکہ ان کے مصنف بڑے جلیل القدر ہیں اور مسائل ظاہر الروایۃ کا التزام کیا ہے اور ان مسائل کا جن پر مشائخ کا اعتماد ہے۔''

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف ہو تو جس روایت پر متون بالاتفاق ہو اس کو بہ نسبت دوسری روایت کے ترجیح ہے

۲) اس روایت پر الفاظ افتاو ترجیح فقائے حنفیہ سے بکثرت منقول ہیں بخلاف دوسری روایت کے چنانچہ علامہ شامی نے کہا کہ

وحاصله انه سیاتی ان مااحیاه مسلم یعتبر قربه عند ابی یوسف وعندمحمد یعتبر الماء والمعتمد الاول، انتهی

''حاصل اس کا یہ ہے کہ عنقریب آویگا کہ جس زمین کو مسلمان آباد کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے قرب کا اعتبار ہے اور امام محمد کے نزدیک پانی کا اور معتبر قول امام ابو یوسف کا ہے۔''

اور درالمختار میں ہے:

ولواحیاه مسلم اعتبرقربه ماقارب الشئی یعطی حکمةقوله

اعتبر قربه ای قرب ما احیاه ان کان الیٰ ارض الخراج اقرب کانت خراجیة وان کان الٰی ارض العشر اقرب کانت عشریة(نهر)

''اور اگر اسکو مسلمان آباد کرے تو اسکے قرب کا اعتبار ہے کیونکہ جو چیز جس چیز کے قریب ہو تو اسی کا حکم لیتی ہے یعنی اگر زمین نو آباد عشری ہوگی اور اگر زمین خراجی کے قریب ہے تو خراجی ہوگی (نہر)''

اور درالمختار میں ہے:

وان کانت بینهما فعشریة مراعاة بحانب المسله (ط) عند ابی یوسف واعتبر الماء محمد فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریته وبالا ول یفتیٰ (درالمنتقیٰ)

''اور اگر دونوں کے درمیان ہے تو بھی عشری ہوگی اسطے رعایت مسلمان کے (طحاوی) نزدیک ابی یوسف کے اور امام محمد پانی کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر خراجی سے آباد ہے تو خراجی ہوگی۔ ورنہ عشری ہوگی اور فتویٰ پہلی روایت پر ہے (درالمنتقیٰ)''

الحاصل روایت امام ابو یوسف پر الفاظ افتاء وترجیح بکثرت موجود میں جیسا کہ شامی ہیں، ہوالمعتمد اور دارالمنتقی میں بہ یفتیٰ واقع ہے اور درالمختار بحث

رسم المفتیٰ میں ہے کہ جس روایت پر لفظ صحیح یا ماخوذ یا بہ یفتیٰ کا ہوتو اس پر اعتبار کرنا چاہیے اور اس کی مخالف روایت کی طرف التفات نہ کی جاوے بلکہ طحاوی میں ہے کہ جس روایت پر فتویٰ ہو وہ ظاہر الروایت پر مقدم ہوتی ہے۔

(۳) ملتقی البحر میں یہ التزام ہے کہ مسئلہ اختلافیہ میں جس روایت کو پہلے ذکر کرے وہ بہ نسبت دوسری کے راجح ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں روایت ابو یوسف کی روایت پر مقدم کیا ہے کما مر اور شامی میں ہے

وقد مه فی متن الملتقی فافادترجیحه علیٰ قول محمد

"یعنی متن ملتقی میں اس کو پہلے ذکر کرنا امام محمد کی رویات پر ترجیح کا فائدہ دیتا ہے۔"

(۴) اسی روایت کو مختار بنا کر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں لکھا ہے

وھو المختار کمافی الحموی علیٰ الکنز عن شرح قر الحصاری وعلیه المتون انتھی

"یہی مختار ہے جیسا کہ حموی شرح کنز نے شرح قر الحصاری سے نقل کیا ہے اور اسی پر متون ہیں۔"

(۵) جب آباد کنندگان مسلمان ہیں تو عشر ہی کے مستحق ہیں نہ کہ خراج کے

جیسا کہ درالمختار میں ہے

لانہ ای العشر اء الین بالمسلم

''یعنی عشر زیادہ الیق مسلمان کے واسطے ہے۔''

(۶) سابقاً مذکور ہوا کہ وجوب عشر کا سبب زمین پیداوار دہندہ ہے تو جب سبب موجود ہے تو وجوب عشر کیوں مفقود ہوگیا۔

(۷) عشر کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اس کا ثبوت یقینی ہے اور پانی خراجی کی وجہ سے اس کا سقوط ظنی کیونکہ یہ صرف ایک روایت ہے وہ بھی غیر مفتیٰ بہا اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ والنظایر میں ہے۔ الیقین لایزول باالشك تو عشر کی فرضیت ایسے احتمالات سے ساقط نہ ہوگی

(۸) احتیاط بھی اسی روایت میں ہے۔ استفت قلبك وان افتاك المفتون

غرض بالفرض المحال مان لیا جاوے کہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں شق مساوی الدرجہ ہیں مگر تاہم احتیاط ادائے عشر میں ہے کیونکہ اگر حقیقت میں واجب تھا تو ادائے واجب ہوگیا اور اگر واجب نہیں تھا تو ثواب اتفاق ملا تو کہیں نہیں جاتا اور اگر ادا نہ کیا گیا ہو تو بصورت وجوب کے سخت مواخذ ہوگا۔

(۹) یہ روایت اکثرین کا قول ہے جیسا کہ تواتر نقول متون وشرح سے ظاہر

ہے اور رد المختار میں ہے کہ جس روایت میں اختلاف ہوتو اکثریت کے قول کا اعتبار ہوتا ہے

(۱۰) جس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا آپس میں اختلاف ہو سوائے ان صور کے جن میں علمائے متاخرین نے امام محمد کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف کے قول کو چھوڑ کر امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جہل اور خرق اجماع ہے جیسا کہ علامہ شامی نے بحث رسم المفتیٰ میں تصریح کی ہے۔

الفتویٰ بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصح اولم یقروجهه انتهی

''مرجوح قول کے ساتھ فتویٰ دینا جہل اور خرق اجماع ہے جیسا کہ امام ابو یوسف کے قول ہوتے ہوئے امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا جب وہ صحیح اور قوی نہ کیا گیا ہو۔''

فتلك عشرة کامله

اس تحقیق سے صاف ثابت ہو گیا کہ اراضی انہار پنجاب جن کو اہل اسلام نے آباد کیا ہے وہ عشری ہیں نہ خراجی ہم نے یہ بحث محض ضمنی طور پر لکھی ہے۔ تا کہ مسئلہ کی تحقیق ہو کر کوئی غلط فہمی راہ نہ پاوے، ورنہ اصل مقصد کے لحاظ سے اس بحث کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ زمین عشری ہو خواہ خراجی دونوں

صورتوں میں ادائیگی رقم امیر اسلام یا اس کے نائب کو شرعاً دینا چاہیے جس طرح
امیر اسلام اخذ عشر کا حقدار ہے اسی طرح اخذ خراج بھی اسکا حق ہے۔ خواہ مسلم
سے خراج وصول کرے یا غیر مسلم سے پس اگر اراضی ہند یا اراضی پنجاب خراجی
ہیں تو جن مسلموں کے قبضہ میں اس قسم کی اراضی ہیں ان کو چاہیے کہ وہ رقم خراج
امیر اسلام یا اس کے نائب یا جس پر مسلمان اتفاق کریں۔ اس کے حوالہ کریں۔
اراضی خراجی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ رقم کسی غیر مسلم حاکم کے نذر
کر کے یہ سمجھ لینا کہ ہم حق شرعی سے سبکدوش ہو گئے ۔ اسلام نے غیر مسلم
کا مسلموں پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین
سبیلا کی نص نے قیامت تک کے لئے اس کا فیصلہ کر لیا ہے کہ غیر مسلم سے کبھی
کوئی جائز ایسے فائدے نہیں حاصل کر سکتا۔ کہ جن کی رو سے مسلم کی محکومیت
ثابت ہو اور کافر کی حاکمیت پس جبکہ یہاں کے مسلمان باشندے حاکم مسلم کو نہ
خراج دیتے ہیں۔ نہ عشر تو یہ حق ان کے ذمہ بدستور واجب الادا ہوگا۔ خواہ وہ غیر
مسلم کو پیداوار کا کچھ حصہ یا بمقدار اس کے رقم حوالہ کرتے ہوں یا نہ کرتے
ہوں۔ اگر غیر مسلم حکومت ان سے جبراً کوئی رقم لیتی ہے تو وہ شرعی خراج کے تحت
میں نہیں آ سکتا اس کا جبراً مسلمانوں سے کوئی رقم وصول کرنا ایسا ہے جیسے ڈاکہ
یا غصب ایسی صورتوں میں ظاہر ہے کہ نہ عشر ساقط ہوگا نہ خراج ، پس امام

ابو یوسف کے طور پر خواہ مسلمان اپنی زمینوں کو عشری سمجھیں یا امام محمد کے مسلک پر خراجی تصور کریں نتیجہ دونوں کا ایک ہے وہ یہ کہ گورنمنٹ کو رقم دے دینے سے ان پر جو شرعی حق واجب ہے وہ ادا نہ ہوا۔ یہ ممکن ہے کہ عشری اور خراجی کی صورت میں مقدار پیداوار یا مقدار رقم میں کوئی فرق رونما ہو جاوے لیکن اصل رقم دونوں صورتوں میں واجب الادا ہے پس جن مولوی صاحبان نے اپنا زور اراضی پنجاب کے متعلق اس میں صرف کیا ہے کہ یہ اراضی خراجی ہیں اس سے ہمارے مقصد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اصل یہ ہے کہ اس دور جہالت میں کم فہمی بھی حد کو پہنچ گئی ہے علماء کا یہ حال ہے کہ وہ صورت کو دیکھ کر حقیقت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ غیر مسلم حکومت مسلمانوں سے رقم وصول کر رہی ہے پہلے عہد میں بھی مسلمانوں سے حکام و عمال رقوم وصول کیا کرتے تھے صورت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں وہاں بھی لین دین تھا۔ یہاں بھی لین دین ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے زمین آسمان کا فرق ہے کہ عہد گذشتہ میں مسلم سے مسلم وصول کرتا تھا اور عہدہ حاضر میں کافر مسلم سے وصول کر رہا ہے پہلی صورت کو فقہائے کرام نے خراج سے تعبیر کیا ہے اور اس کے احکام عشر سے جداگانہ ترتیب دیئے ہیں۔ عہد حاضر کے مولوی صاحبان دوسری صورت کو بھی شرعی خراج سمجھ بیٹھے اور گورنمنٹ کو خلفائے راشدین کے قائم مقام سمجھ کر دونوں کے احکام متحد سمجھ

گئے۔ جب بدسلیقگی اور بدتمیزگی کی نوبت یہاں تک پہنچ جاوے تو پھر غلط نتائج
اخذ کرنے کی ان سے کیا شکایت

تنبیہ:

عشر وزکوٰۃ وصول کرنے کا حق جیسا کہ اوپر بالتفصیل لکھا جاچکا ہے
امیر بااختیار کو ہے یا اس کے نائب کو یہ صورت ہندوستان میں متحقق نہیں ہے لیکن
اس صورت کی عدم موجودگی کی حالت میں مسلمان اس معاملہ میں ایک ولی مقرر
کرسکتے ہیں کہ وہ عشر وزکوٰۃ وصول کرے اور اسطرح کہ وحدت مرکز کے ساتھ
بیت المال کی اقامت ہوجاوے جس طرح حسب تصریح فقہائے کرام اقامت
جمعہ وعیدین وفسخ نکاح وطلاق ودیگر امور شرعیہ کی انجام دہی کیلئے فرض ہے کہ
مسلمان اپنی جانب سے ایک والی قرار دیں جس طرح ان امور میں مسلمانوں کا
مقرر کردہ والی مرکز ومدار بن سکتا ہے۔

اس طرح اس معاملہ میں بھی کہ جو محض شرعی ہے اور سیاست دینیہ کیلئے
سنگ بنیاد ہے

باتفاق مسلمان والی کا تقرر ضروری ہے ایسی حالت یں مسلمان معذور
قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک صوبہ یا علاقہ میں اپنی اتفاق
رائے سے ایک والی قائم کریں کہ جو رقوم زکوٰۃ وعشور ان سے حاصل کرکے

مصارف شرعیہ ضروریہ میں صرف کرے۔

یہاں فتویٰ جناب حافظ الحدیث ماہر العلوم مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کا بطور تتمہ بحث کے جو کہ درباره عشری ہونے اراضی انہار پنجاب کے آپ کے قلم سے لکھا بذریعہ ایک دوست کے مجھے ملا درج کر دینا نہایت مناسب نظر آتا ہے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں، علماء دین و مفتیان شرح متین اندریں مسائل کہ اس ملک پنجاب میں جو عملداری سرکار انگریز کی ہے ایک زمین افتادہ اور نا آباد جو مدتہا سے اس کا ملک معلوم نہیں اس زمین کی آبادی کے واسطے حکام انگریزی نے بصرف زر کثیر نہریں کھدوا کر جاری کرائی ہیں پھر وہ زمین کسی رعایا اہل اسلام کو بخشدی ہے اور معاملہ وغیرہ حسب ضابطہ اس اراضی سے کیا کرتے ہیں۔
اور ایک شخص اہل اسلام نے باجازت سرکاری بہت مال خرچ کرکے ایک نہر کھدوائی ہے اور بابت اجرائے نہر مذکور بہت سے مزدور اور محافظ اور منتظم مقرر کئے ہیں۔ اور اطراف نہر پر لوگوں کی اراضیات مختلفہ واقع ہیں اور وہ لوگ اپنی اراضیات کو پانی اس نہر سے بدیں شرط سیراب اور آباد کرتے ہیں کہ صاحب نہر کو مثلاً چہارم حصہ خواہ پنجم حصہ پیداوار حق آبیانہ بحسب شرط قرارداد دیا کرتے ہیں۔

امور منقحہ استفتاء

صورت مسئولہ عنہا اولیٰ میں اراضی عشری ہیں یا خراجی، دوم حق آبیانہ صاحب نہر کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا، توجروا، روز چہار شنبہ، ۸ رمضان شریف ۱۳۱۷ھ

الملتمس

خان بہادر حاجی محمد عبدالرحیم خاں رئیس

از ضلع بنوں (مہر عبدالرحیم خاں)

اور بصورت عدم جواز کوئی دیگر صورت شرعیہ بابت اجارہ اجرائے نہر بذمہ زمینداران کے ہوسکتی ہے یا نہیں

الجواب:

نمبر ا صورت مسئولہ میں اراضی مذکورہ عشری ہوگی نہ خراجی، نمبر ۲ حق آبیانہ مالک نہر کو لینا جائز ہے کیونکہ وہ نہر خاص ہے مگر اس طرح آبیانہ لینا درست نہیں کہ چہارم یا پنجم حصہ آمدنی مقرر کرے بلکہ فی بیگہ نقد مقرر کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ علم (کتبہ رشید احمد عفی عنہ)

مصارف عشر و زکوٰۃ:

جن لوگوں کو عہد اقدس میں زکوٰۃ وغیرہ اموال بیت المال میں سے دیا جاتا تھا وہ آٹھ اصناف ہیں جن کی تصریح قرآن شرف میں حق تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ:٦٠)

''جو ہے زکوٰۃ سو حق ہے مفلسوں کا، محتاجوں کا اور اس کے جمع اور وصول کرنے والوں کا اور جن کا دل پھرتا ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرضہ داروں کا اور اللہ کی راہ میں اور راہ کے مسافروں کا یہ حکم مقرر کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

لیکن چوتھے فریق یعنی مؤلفقہ القلوب کا حصہ اجماع صحابہ سے عہد نبوت کے آخری دور میں ساقط ہوگیا جس کی تفصیل درالمختار اور رد المختار میں موجود ہے اور باقی سات فریق مصرف زکوٰۃ ہیں جن کی تفصیل کی جاتی ہے

(۱) فقیر، جس کی ملک میں مال تو ہے لیکن نصاب تک نہیں پہنچتا یا نصاب کو پہنچتا ہے لیکن وہ مال نامی نہیں اور حاجت اصلیہ میں مستغرق ہے۔ (عالمگیری درالمختار)

مسئلہ: اگر بہت قسم کے اموال کا مالک ہے مگر وہ مال غیر نامی اور حاجت اصلیہ میں مستغرق ہیں تو شرعاً اسکو فقیر کہا جاوے گا۔ (فتح القدیر، عالمگیری)

مسئلہ: عالم فقیر کو بہ نسبت جاہل فقیر کے دینا افضل ہے (زاہدی، عالمگیری)

(۲) مسکین، جس کی ملک میں بالکل کوئی چیز نہ ہو حتیٰ کہ کھانے کا اور پینے کو بھی نہیں۔ (عالمگیری، درالمختار)

(۳) عامل، یعنی زکوٰۃ وغیرہ کا محصل اور وہ دو قسم ہے۔ ایک ساعی، دوسرا عاشر ساعی اس کو کہتے ہیں کہ امام نے اس کو قبائل میں واسطے وصول کرنے عشر وغیرہ کے مقرر کیا ہو اور عاشر وہ ہے جس کو راستوں اور سڑکوں پر واسطے وصول کرنے عشر وغیرہ کے ان لوگوں سے جو راستہ سے گزر، مقرر کر رکھا ہو (شامی)

مسئلہ: عامل کو اسقدر دیا جاوے جس سے اس کا اور اسکے مددگاروں کا گزارہ ہو سکے لیکن صرف ان ایام کا جن میں وہ اس کام میں مصروف رہا ہو (عالمگیری)

مسئلہ: اگر عامل کی تنخواہ تمام مال جمع کردہ کو محیط ہو جاوے تو نصف مال سے زیادہ نہ دیا جائے (بحرالرائق عالمگیری)

مسئلہ: اگر مالک خود بخود زکوٰۃ کو امام کے حضور میں پیش کردے تو عامل کا کوئی حق نہ ہوگا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: اگر عامل ہاشمی مقرر کیا گیا تو اس کو اس مال سے کچھ نہ دیا جاوے

ہاں اگر دوسرے مال سے دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں (خلاصہ، عالمگیری)

مسئلہ: اگر چہ عامل غنی ہوتا ہم اس کو اس مال سے دینا جائز ہے (تبین عالمگیری)

مسئلہ: اگر عامل کے ہاتھ سے مال جمع شدہ ضائع ہو جائے تو اس کا حق جاتا رہے گا اور مالک اموال کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (سراج الوہاج عالمگیری)

مسئلہ: طالب علم اگر چہ غنی ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ کا دینا جائز ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو ذریعہ معاش کے کسب سے بند کر رکھا ہے واسطے حصول نیک کام کے۔ (درالمختار)

فائدہ: جب اغنیاء طالبعلم کو زکوٰۃ کا دینا جائز ہو تو جو مساکین اور فقراء طالب ہوں ان کو بطریق اولیٰ جائز اور موجب ثواب ہوگا۔ لہذا اصحاب الاموال کو چاہیے کہ جہاں کہیں ہوں ان کا حصہ اپنے مالوں سے ادا کرتے رہیں اور عنداللہ دوگونہ ثواب کے مستحق بنیں۔

(۴) رقاب، یعنی گردنوں کا چھڑانا اس میں اصحاب ذیل شامل ہیں

(الف) مکاتبوں کی امداد میں دیا جائے تا کہ ان کی گردنیں قید عبودیت سے چھوٹ جائیں۔ (محیط سرخسی عالمگیری)

مسئلہ: اگر چہ مکاتب غنی ہوتا ہم اس کو دینا جائز ہے خواہ اس کے غناء کا علم ہو یا نہ (خلاصہ، محیط السرخسی، عالمگیری)

مسئلہ: اگر ہاشمی مکاتب ہو تو اسکو نہ دیا جائے محیط عالمگیری

(ب) اس مال سے غلام خرید کر کے آزاد کئے جائیں یہی مذہب امام الک واحد اسحاق کا ہے (خازن)

(د) قیدیوں کو خلاص کرانا اگر چہ وہ غنی ہوں

عن عطا بن یساران رسول اللہ ا قال لاتحل الصدقة لغنی الالخسمة لغاز فی سبیل اللہ اولعامل علیھا ولغارم اولر جل اسیر اما نہ اولرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المساکین فاھدی المسکین للغنی اخرجہ ابو دائو مرسلاً

یعنی حضور کا فرمان ہے کہ کسی غنی کو صدقہ حلال نہیں مگر پانچ شخصوں کو (۱) غازیوں کو (۲) عاملین کو (۳) قرضداروں کو (۴) قیدیوں کی مد میں (۵) جس مسکین کا پڑوسی غنی ہو اور اس مسکین نے اس پڑوسی کو اس مال سے اس کو ہدیہ دیدیا ہو

اس حدیث شریف میں قیدیوں کی اعانت کا حکم ہے جو کہ تمام اقسام اعانت کی نگرانی کرنے اور ان کو کھانے پینے پہننے وغیرہ ضروریات میں مدد کرنا وغیرہ وغیرہ

فائدہ: زمانہ حال میں جو علماء کرام و ہادیان اسلام اسلامی اعانت کی وجہ سے

اسیران فرنگ ہیں

وما نقمو امنهم الاان يومنو بالله العزيز الحميد،

''وزدے نہ کردہ اند کسے رانہ گشتہ اند بیت جرمش ہمیں کہ عاشق توحید گشتہ اند''۔

ان کی رہائی کی امداد اور ان کے اہل وعیال کی معاش وغیرہ کا تکفل ہرایک مسلمان کا اعلیٰ ترین فرض ہے خواہ زکوٰۃ سے یا دیگر صدقات واجبہ ونفلیہ سے جس قدر ہو سکے ان کی اعانت عین اعانت اسلام ہے

(۵) غارم، یعنی قرضداروں کی امداد کرنی جس سے ان کا قرضہ ادا ہو جائے بشرطیکہ مالک نصاب جو دین سے فاضل ہو نہ ہو یا ان کا مال تو ہے لیکن ایسے لوگوں کے پاس ہے جو اسکو ملنا ممکن نہیں (تبین عالمگیری)

(٦) فی سبیل اللہ یعنی مجاہدین اور غازیان اسلام جنہوں نے اسلامی محبت کی وجہ سے اپنے وطن مالوف اور پیارے بال بچوں کو روتے چھوڑ کر اپنی جان عزیز کو کفار بدکردار کے مقابلہ میں ہتھیلی پر رکھ کر لڑائی کو اختیار کر رکھا ہے۔ ایسی حالت میں یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں، ان کے کھانے اور پینے اور ہتھیار وغیرہ کے واسطے دیا جاوے اگرچہ غنی بھی ہوں (خازن)

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ا لاتحل الصدقة لغنی الالخمسة لعامل عليهااولغازفی سبيل الله اولغنی اشتراها بماله

اولفقیر تصدق علیه فاهذاهاالغنی اوخادم (رواه ابن ماجه)

یعنی کافرمان ہے کہ کسی پانچ شخصوں کو(۱) عامل (۲) غازیان اسلام (۳) جب غنی اسکو مال دیکر خرید کرے (۴) فقیر پر صدقہ کیا گیا ہواور اس نے کسی غنی کو ہدیہ دیدیا (۵) قرض دار

بناء علیہ زمانہ حال میں غازیان انگورہ مصرف زکوٰۃ ہیں مسلمانان ہند اس مصرف کو اپنے صدقات سے نہ بھولادیں بلکہ جس قدر ہوسکے نقد جمع کر کے ان کے اوران کے اہل وعیال کی امداد کے واسطے بھیجتے ہیں

(۷) ابن السبیل، یعنی وہ مسافر کہ اپنے وطن سے منقطع ہے گوگھر میں غنی ہواس کودیا جاوے (عالمگیری)

مسائل متفرقہ:

اشخاص ذیل کو زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ دینا ناجائز ہے (۱) اپنے اصل کو یعنی ماں باپ اوران کے ماں باپ اوران کے دادادادی اور نانانانی (۲) اپنے فرع کو یعنی اپنی اولاد خواہ ذکور ہوں یااناث خواہ اولاد صلبی ہو یاان کی اولاد کی اولاد۔

مسئلہ: سوائے اصل وفروع کے باقی جملہ اقارب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بلکہ افضل ہے، بشرطیکہ فقیر ہوں، یعنی مالک نصاب نامی کے ہوں

(۳) مرد اپنی عورت کو اور عورت اپنے مرد کو زکوٰۃ نہ دے (۴) اپنے غلام کو بھی نہ دے (۵) بنی ہاشم کو نہ دے (۶) غنی کو نہ دے (۷) کافر کو نہ دے (۸) مسجد اور پل اور سرائے وسڑک کی اصلاح اور نہروں کی کھدائی اور کفن موتی اور ادائے دیون ہوتی غرض کہ جس چیز پر تملیک نہیں ہوتی وہاں صرف نہ کرے، ہاں اگر کسی مسکین یا امام الوقت کے حوالہ کردے اور وہ ان مصارف پر صرف کریں تو جائز ہے۔

برادران ملت آپ سے یہ امید تو ہرگز نہیں کی جاتی کہ آپ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہ کرتے ہونگے۔ ادا تو ضرور کرتے ہونگے، لیکن بے جا صرف ہونے کی وجہ سے آپ کے دیئے ہوئے اموال نے اسلام میں کوئی قابل قدر آج تک نتیجہ نہیں نکالا، غالباً آپ کے پاس ماہ رجب میں کوئی نہ کوئی گداگر مسکینوں کی شکل بنا کر دکھائی دیتا ہوگا اور آپ کو اس رحم پر آجاتا ہوگا۔ اس کو حسب قیمت کچھ نہ کچھ دیتے ہونگے، مگر افسوس تو یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ واقعی یہ شخص مصرف زکوٰۃ ہے۔ اول تو ایسے اشخاص عموماً مصرف زکوٰۃ نہیں ہوتے، بالفرض اگر ہوں بھی تو مخالفت قواعد منصوصہ کی وجہ سے آپ بری الذمہ نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اس رسالہ کے مباحث سابقہ میں بالتفصیل گذرا لطف تو یہ ہے کہ مال بھی آپ کے ہاتھ سے چلا گیا اور فرض بھی ادا نہ ہوا، اور بیکار رہا نہ

ادہر کا رہا نہ ادھر کا۔

جناب من اگر یہی اموال کسی محصل کے ذریعہ جمع ہو کر بیت المال میں داخل ہوتے اور پھر اسکو حسب ضرورت اسلامیہ صرف کئے جاتے تو اس سے اسلام کو ہزاروں قسم کے فوائد ہوتے اور آپ بری الذمہ ہونے کے علاوہ لکھوکھا اجر کے مستحق بنتے، ایسا کرنے سے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی ہے اور حکام الوقت کی بھی کوئی مزاحمت نہیں کیونکہ صدقات کی ادائیگی میں ہر ایک فرد رعیت کو آزادی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس مشورہ کو جو مطابق فرمان رب العالمین وارشاد شفیع المذنبین واقتدا اسلف صالحین ہے، برادران ملت وقعت کی نگاہ سے دیکھ کر داد تحسین دیں گے اور اپنا سابقہ دستور العمل بدل کر اسی کے مطابق عملدرآمد رکھیں گے جس سے اسلام کی ترقی وابستہ ہے،

وما علینا الا البلاغ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل

،والحمد للہ الجلیل والصلوٰۃ علی نبیہ الجمیل

شہرِ مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادرِ روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو بر کنارِ صحن اک دل آرا و دل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانسیں بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید یہ سپاسِ نیاز کا اک الوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محوِ استراحت ہیں۔ مولانا سیّد احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزند فلک کمند مولانا سیّد فخر الدین گانگوی۔ اول الذکر یکے از فاضلین فرنگی محل و دہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مجید ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات کے لئے کوئی بھی روایتی ذکر آفریں مجلس بصورتِ عرس وغیرہ انعقاد پذیر نہیں ہوتی لیکن میانوالی کے دینی حلقہ جات میں کوئی بھی محفل ان کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔ علمی پایہ مسلّم ہے اور ان کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروفِ خلائق ہیں۔ بیسویں صدی ہجری میں پوری تابانی سے چمکنے اور ابھرنے والے آفتاب آج بھی پوری طرح ضوفشاں ہیں۔ ان کا نہ ختم ہونے والا اجرا انہیں ہر لمحہ نئی زندگی بخشتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے کام اور نام یوں زندہ رہ کر موت کو شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ دست رسائلکے مطالعے سے لطف اندوز ہوں اور مزید انقلاب آفریں کتب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اور دعا گو ہوں ان لوگوں کے لئے جو ان کتب کی اشاعت کا باعث بنے! سیّد نعیم الدین شاہ گانگوی، علامہ عطاء المصطفیٰ اور ان کی پوری ٹیم کو ہدیہ تبریک پہنچے۔ اللہ کرے ان کی یہ عرق ریزی، امت خیزی کا وسیلہ ثابت ہو، امین! بجاہ سیّد المرسلین ﷺ

محمد ریاض بھیروی